تہذیب

و

ثقافت

فہرست مضامین

تہذیب وثقافت	385
اسلامی تہذیب کا کمال	386
شادی نہ ہوئی کھیل ہوا	389
فریضۂ حج اور ہماری روایات	392
ہماری شناخت	396
یومِ ماں (Mother Day) کیوں؟	400
پاکستان میں آزاد میڈیا کا دور اور ہماری تہذیبی اقدار کو خطرات	404
تہذیب وثقافت عالمی تناظر میں	408
تہذیبوں کا تصادم اور امت مسلمہ	411
تہذیب وثقافت کی عالمگیریت اور اس کے اثرات	415
ویلنٹائن ڈے اور ہمارا طرز عمل	418
اسلامی نظام، ایک مکالمہ	422

☆......☆......☆

اسلامی تہذیب کا کمال

اسلامی تہذیب کی ابتدا مکۃ المکرّمہ اور مدینۃ المنورہ سے ہوئی۔ اس کی بنیادیں اسلام کے بنیادی عقائد، توحید، رسالت اور آخرت میں پیوست ہیں۔ جس طرح اسلام کے یہ بنیادی عقائد دنیا کے سارے عقائد کے مقابلے میں سادہ اور آسان فہم ہیں۔ اسی طرح اسلامی تہذیب وتمدن کی بنیاد بھی سادگی، قناعت، خدا پرستی اور خداخوفی اور نبی ﷺ کی سنتِ مبارکہ پر قائم ہے۔

یہ تہذیب مدینۃ المنورہ سے نکل کر ساری دنیا میں پھیل گئی۔ لیکن اس کا کمال ملاحظہ کیجئے کہ کسی انسان کو کسی ایسی عادت، رسم، خو اور طریقۂ کار کو چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جو بنی نوع انسان کے لئے صحیح معنوں میں مفید ہو۔ مثلاً لباس کے حوالے سے دیکھئے کہ اسلام کا پیغام افریقہ پہنچا یا یورپ، ایشیا میں آیا، یا سنٹرل ایشیا میں، اپنے پیروکاروں کو صرف اتنی سی رہنمائی عطا فرمائی کہ جو لباس بھی پہنیں، اس میں تین چار بنیادی باتوں کا خیال رکھیں۔ پہلی بات یہ کہ لباس حلال کمائی سے خریدا اور بنایا گیا ہو۔ فقہائے اسلام اس بارے لکھتے ہیں کہ اگر کسی آدمی نے کوئی لباس دس روپے میں بنوالیا لیکن ان دس روپوں میں سے ایک روپیہ بھی حرام کمائی کا تھا تو ایسے لباس میں شرعی لحاظ سے نماز ادا نہیں ہوسکتی۔ ویسے جملۂ معترضہ کے طور پر عرض کروں کہ ہمیں آج اپنی کمائیوں پر اس حوالے سے ضرور سوچنا چاہئے۔

اسلامی تہذیب میں لباس کے حوالے سے دوسری بات یہ ہے کہ لباس ساتر [پردہ پوش] ہونا چاہئے۔ کیونکہ نماز کی ادائیگی کے لئے لباس کا ساتر ہونا لازمی ہے۔ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ لباس میں عمر اور موسم کی ضروریات اور اپنی جیب کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق ایسی خوش لباسی کا کوئی فائدہ نہیں جس کے لئے انسان مقروض ہوجائے یا موسم کے مضر اثرات سے متاثر ہوجائے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے لباس کے حوالے سے کسی خاص وضع قطع سے متعلق ہدایات جاری نہیں کی ہیں۔ کیونکہ اسلام ایک عالمگیر اور آفاقی دین ہے۔ نبی کریم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا مطلب ہی یہی ہے کہ آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی اور نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو نبی ﷺ کے ذریعے ان امور میں جن کا تعلق علاقائی ضروریات اور پسند وناپسند وغیرہ سے ہے، بنیادی اصول تو عطا

فرمائے۔لیکن باقی امور طے کرنے میں رخصت عطا فرمائی۔یہی وجہ ہے کہ عرب ممالک کے جلابیب، پاکستان کی قمیص شلوار، ہندوستان کا کرتہ پاجامہ اور بنگلہ دیش کی دھوتی بنیان اور ترکوں کی شرٹ پتلون سب اسلامی لباس میں شمار ہوتا ہے۔حتیٰ کہ اسلامی جمہوریہ ایران میں اسلامی انقلاب کے بعد بھی ان کے علمائے کرام کے روایتی لباس کی علاوہ شرٹ پتلون عام طور پر پہنا جاتا ہے۔

یہی حال خوراک اور غذا کے بارے میں ہے۔ نبی ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے انسانی خوراک اور کھانوں کے سلسلے میں پاک وناپاک، حلال وحرام، مفید ومضر وغیرہ کی تمیز کم ہی لوگ جانتے تھے اور آج بھی اسلام سے ناوقف لوگ یہی روش جاری رکھے ہوئے ہیں۔

اسلامی احکامات کے مطابق ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اپنے لئے حلال رزق حاصل کرے۔ حلال رزق کا مطلب پاک رزق ہے اور حلال وپاک رزق کا مطلب وہ رزق اور خوراک ہے جو انسان کے لئے ظاہری اور باطنی طور پر مفید اور خوشگوار اثرات کا حامل ہو۔ کیونکہ خوراک اور غذا کے اثرات انسان کے اندرونی نظام پر مرتب ہوتے ہیں اور اسی سے انسان کا مزاج تشکیل پاتا ہے۔خوراک اور غذا حلال، طیب اور سادہ ہو تو انسانی مزاج میں صفائی ستھرائی، بلندی فکری، خودداری، خوداعتمادی اور دوسرے انسانوں کے لئے رحمت، شفقت اور محبت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ایسے درندوں، پرندوں اور جانوروں کا گوشت حرام قرار دیا گیا ہے۔جس کے اثرات انسانی طبائع کو انسانیت کی سطح سے گرا سکتے ہیں۔ حسن بن صباح کے فدائین کو بلّی کا گوشت کھلایا جاتا تھا کیونکہ بلّی غضب کے وقت آپے میں نہیں رہتی اور مخالف پر سخت بے جگری کے ساتھ حملہ کرتی ہے۔

اسلام نے کھانے پینے کے حوالے سے انسانی صحت اور نفسیات کے لئے مضر ساری اشیاء کو حرام قرار دیا ہے، جس میں تمام نشہ آور اشیاء بھی شامل ہیں۔

اسلام نے لباس اور خوراک کے بارے میں بنیادی اصول طے کرنے کے بعد ساری دنیا کے انسانوں کو مزاج، جغرافیے اور رسم ورواج کے مطابق آزادی عطا فرمائی ہے یہی وجہ ہے کہ اسلامی تہذیب وتمدن مکۃ المکرّمہ اور مدینۃ المنورہ سے نکل کر سارے عالم پر اثرات مرتب کر گئی اور آج بھی امتیازی اصولوں کے ساتھ تمام ضروری اور بنیادوں اصولوں کے سانچے میں سما جانے والی جدیدیت کسی جغرافیائی، نسلی اور لسانی تعصب

کے بغیر خوش آمدید کہنے کے لئے ہمہ تن تیار ہے۔البتہ اس کی اجازت نہیں دیتی کہ کوئی آج کی بے پناہ مادی ترقی کے سامنے نفسیاتی مرعوبیت کا شکار ہوکر اس کو کمتر ثابت کرنے کی کوشش کرے یا اپنے صاف اور پاکیزہ تہذیب وتمدن اور کلچر کی اقدار پر اعتماد کرنے کی بجائے وہ کسی بے بنیاد ثقافت کی چاہت میں ساری حدود پھلانگ لے۔آج دنیا میں آویزش اور کشمکش کے کئی میدان ہو سکتے ہیں مگر میرے خیال میں اصل معرکہ تہذیب اور ثقافتی سطح کا ہے جس میں خوراک اور لباس بھی اہمیت کے حامل ہیں۔لہذا اس کا بہت خیال رکھیں اور دنیوی واخروی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں۔ بقول اقبال

وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

☆......☆......☆

شادی نہ ہوئی کھیل ہوا

اگرچہ پاکستانی کرکٹر اور بھارتی ٹینس کھلاڑی کی شادی کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا اور بہت کچھ سُنا اور سنایا گیا اور بہت کچھ دکھایا گیا، لیکن کہانی ہے، کہ ختم ہونے کا نام تو کیا لیتی، روز بروز فسانۂ عجائب بنتا جارہا ہے۔

اس شادی کے ذریعے اسلامی اقدار اور شعائر کا جو مذاق اُڑایا گیا اور اب تک اُڑایا جارہا ہے، مجھے تو اِس میں اب کوئی ایسا نادیدہ ہاتھ نظر آرہا ہے جس طرح اسلام کے دیگر شعائر مثلاً نقاب وحجاب اور داڑھی اور پگڑی وغیرہ کو بدنام کرنے کیلئے اِن اسلامی اقدار کو دہشت گردی اور انتہا پسندی کے ساتھ اِس طرح جوڑا گیا کہ اب اچھے بھلے شریف لوگوں اور اُن پاکباز و متقی نوجوانوں کے بارے میں جن کے چہرے سنتِ رسولؐ سے مزین ہوتے ہیں اور اُن مسلمان بچیوں کے بارے میں جو اسلامی حیا و عفت کی حفاظت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوکر پردہ وحجاب کو ضروری سمجھتی ہیں، لوگ ٹھٹھک کر مشکوک نگاہوں سے دیکھنے کے عادی ہوتے جارہے ہیں۔

لیکن شعیب ملک، یا عائشہ اور ثانیہ جیسے لوگوں کے حوالے سے میڈیا نے عائشہ کے والدین کو شعیب ملک اور ثانیہ وغیرہ پر جو الزامات اور الہامات لگا کر ساری دُنیا کو دکھایا۔ اِس سے جہاں ایک طرف غیر مسلم دُنیا میں شرم وحیا کی محافظ قدر نکاح اور نکاح نامے کو بے توقیر کیا گیا کہ مسلمانوں کے درمیان جعلی نکاح نامے بھی بنتے اور لکھے جاتے ہیں وہاں عائشہ کے والد نے شعیب پر وہ الزامات لگائے جس کو اسلامی معاشرے اور گھرانوں میں کسی طرح بھی برداشت نہیں کیا جاسکتا، انڈین میڈیا نے تو مزے اور چٹکیاں لے لے کر ثانیہ اور عائشہ کے گھروں کے اندر جھانک کر وہ مناظر دکھائے جو کسی بھی شریف مسلمان گھرانے کا شِعار اور شیوہ نہیں ہوسکتا۔

کس مسلمان گھرانے میں رسم نکاح کے دوران دولہا اور دلہن کے درمیان ڈانس کیے جاتے ہیں اور پھر وہ میڈیا کے ذریعے پوری دُنیا کو بھی دکھائے جاتے ہیں؟ ہم نے تو مسلمان دلہن کو شادی کے دِن شرم وحیا سے سکڑتے سمٹتے سُنا اور دیکھا ہے، دُلہا کے ساتھ اِس طرح کہیں نہیں دیکھا ہے، اگرچہ کہا جاسکتا ہے کہ اِس قسم کے معاملات لوگوں کے ذاتی اور انفرادی معاملات ہوتے ہیں لہٰذا کسی کو اِس پر انگلی اُٹھانے کی اجازت نہیں کیونکہ یہ دور تو امریکہ بہادر کی تہذیب و تمدن کے طفیل آزاد منشی (Liberalism) کا دور ہے لہٰذا ہر کسی

کو جو دِل میں آئے، کرنے کی اجازت ہے، حالانکہ اسلام میں فرد اور اجتماع [سوسائٹی] کے اپنے اپنے حقوق اور اپنا اپنا دائرۂ اختیار اور دائرہ کار رہوتا ہے لیکن چلو مان لیتے ہیں کہ اِس قسم کے واقعات دلہا دلہن، یا دو افراد کے درمیان رضامندی کے بعد انفرادی [پرائیویٹ] معاملات میں شمار ہوتے ہیں لیکن کیا میڈیا کیلئے کوئی اخلاقی، سماجی اور معاشرتی قدر و پابندی کہیں بھی نہیں کہ وہ لوگوں کے پرائیویٹ معاملات کو اِس انداز میں کیوں اُچھالتے ہیں جس سے دوسرے لوگوں کے جذبات، احساسات اور رجحانات مجروح ہوتے ہوں۔ کیا ہندوستان کے مسلمانوں نے اِس بات کا برملا اظہار نہیں کیا کہ ثانیہ، عائشہ، اور شعیب ملک کے درمیان معاملات وتعلقات نے ہم ھندوستانی مسلمانوں کے سر شرم سے جھکا دئے ہیں۔ ہندوستان کے میڈیا نے تو ہر پہلو سے یہ کوشش کی کہ مسلمان گھرانوں کے وہ معاملات جن کو بہت وقار، متانت اور سنجیدگی کے علاوہ اسلامی تقدس کے ساتھ طے کیا جاتا ہے، ساری دُنیا کو یہ بتانے کی کوشش کی کہ مسلمان نکاح جیسے اہم اور مقدس اسلامی شعار کے حوالے سے اتنے جھوٹے، بے اعتبار اور وغیرہ وغیرہ ہوتے ہیں۔ انڈین میڈیا سے تو کوئی گلہ و شکایت اِس لئے نہیں کہ آخر کب اُنہوں نے کہیں کسی موقع پر عدل وانصاف، انسانیت اور خبر کی اشاعت کے قوانین وضوابط کو ملحوظ رکھتے ہوئے پاکستان اور پاکستانیوں کے بارے میں بات کی ہے لیکن یہ پاکستانی میڈیا کو کس باؤ کے کتے نے کاٹ لیا ہے کہ گذشتہ ایک مہینہ سے دُنیا کے سارے اہم معاملات کو چھوڑ کر ٹاپ سٹوری کے طور پر آدھا آدھا گھنٹہ اور بعض اوقات ایکسکلوسیو (Exclusive) خبر کے تحت اِس سے بھی زیادہ شعیب اور ثانیہ کی شادی، نکاح، ولیمہ، ہوٹل، جہاز، ائیر پورٹ، باراتیوں، سیالکوٹ کے دیوانے، کراچی کے شائقین، لاہوریوں کا اشتیاق اور پاکستانی ائیر پورٹوں پر اور جہاز میں آفیشلز کا شوق وذوق اور اِن دو حضرات کے ساتھ تصویر بنانے کی آرزو و تمنّا دیکھ کر ہم جیسے قدامت پسند، رجعت پسند، پرانے زمانے کے لوگ یہ دیکھ دیکھ کر دنگ رہ جانے کے ساتھ ساتھ، یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ سر پیٹوں کہ جگر، کہ آخر یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔ شادی بیاہ کی خوشی اور ولیمہ وبارات کے انتظامات تو آخر دو تین دِن کے اندر پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتے ہیں۔ آخر اِن بندوں کی شادی میں آخر کیا خاص چیز ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کے سفارتی آفیشلز سے لیکر ہم جیسے عام لوگوں "بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ" کے مصداق سب دیوانے ہوتے جا رہے ہیں۔

ہم شاید اتنے دیوانے نہ ہوتے اگر ہماری الیکٹرانک میڈیا ذمہ داری کا ثبوت دیتی۔ ثانیہ شعیب شادی کے

دوران پاکستان اور دُنیا میں کتنے اہم واقعات ہوئے، کاش ہماری میڈیا کہیں اُن واقعات کو بھی اِس طرح کور کرتی۔

پاکستان مظلوم بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے بارے میں تو آج تک کسی چینل نے کوئی Exclusive پروگرام نہیں کیا، جس میں پاکستانی قوم کو یہ بتایا جائے کہ وہ کون ہے، کہاں پیدا ہوئی، تعلیم وتربیت کہاں اور کیسے ہوئی۔ کس جرم کی پاداش میں کہاں، کس طرح گرفتار ہوئی، "آوارگی" میں کہاں کہاں کی "سیر" کی، اُن کے بچے کتنے اور کہاں ہیں، اُن کی زخمی جگر والدہ اور بہنیں اور بچوں پر کیا گزر رہی ہے۔ کوئی چینل تو آگے آکر کہے

غزالہ تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی

اس دوران محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ جیسے عالمِ دین اِس دُنیا سے رخصت ہوئے۔ اُن کی زندگی چند سطری خبر، نکات اور جنازے کی ایک جھلک کے سوا آج تک کسی چینل نے کوئی ایسا پروگرام اپنے لاکھوں کروڑوں ناظرین کو نہیں دکھایا جس میں اِس نابغۂ روزگار شخصیت کے کم از کم اُن علمی دینی کاموں کا ذکر ہوتا جو اُنہوں نے دن رات ایک کر کے دین اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی فلاحی و بھلائی کی نیت سے کئے۔

اگر ہماری میڈیا کسی مجبوری کے تحت اسلام اور پاکستان کی حفاظت وسالمیت سے وابستہ واقعات کیلئے کوئی وقت نہیں نکال سکتی تو کوئی بات نہیں لیکن خدارا اب قوم کو شعیب اور ثانیہ کی شادی کی اذیت ناک مناظر سے لوگوں کو معاف رکھے تو بہت شکریہ اور احسان کی بات ہوگی۔ پاکستان جن گھمبیر مسائل میں گھرا ہوا ہے، محبِّ وطن میڈیا کا فرض ہے کہ قوم کی نوجوان نسل کی رہنمائی اور تربیت کیلئے ملک وقوم کے اساتذہ ماہرین اور پروفیشنلز کے ذریعے ایسے پروگرام دیکھائے جائیں کہ عوام اتحاد و یکجہتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اِن مسائل کے حل کیلئے اپنا کردار ادا کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

☆......☆......☆

فریضۂ حج اور ہماری روایات

حج اسلامی ارکان وعبادات میں جس اہمیت وفضیلت کا حامل ہے اس سے ہر عاقل بالغ اور پڑھا لکھا مسلمان بخوبی واقف ہے۔آج سے ۱۴۱۸ سال پہلے نبی ﷺ نے اس سنت ابراہیمی کو تازہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''زمانہ گھوم گھام کے پھراسی نہج اور ہیئت پر آ گیا ہے۔جس ہیئت پر اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کی تخلیق کے دن بنایا تھا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے [جن کا ذکر کتاب اللہ میں ہے]۔یہی دین قیم ہے۔پس آپس میں ایک دوسرے پر ظلم مت کرو۔دیکھو کہیں میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا کہ تم آپس میں کُشت وخون کرنے لگو''۔

الحمداللہ! کہ اس زمانے سے لے کر آج تک حج کا سلسلہ چلا آ رہا ہے اور ان شاء اللہ جب تک دنیا میں مسلمان موجود ہیں، یہ سلسلہ اسی طرح رواں دواں ہوگا، لیکن آج حج جیسے اہم فریضے کی ادائیگی کی ساتھ جو مکروہات ہم مسلمانوں میں جڑ پکڑ رہی ہیں، کیا کبھی ہم سوچنا پسند کریں گے کہ آخر ہمیں کیا ہوگیا ہے کہ اب ہم اسلام کے خالص ارکان میں بھی دھوکہ دہی اور فریب سے نہیں چوکتے۔ویسے تو ہر مسلمان کے لئے ہر ہر مقام پر حلال کمائی کرنا فرض عین ہے اور کسی کے ساتھ کسی بھی قسم کا دھوکہ وفریب اسلامی عقائد کی سخت مخالفت ہے لیکن حج جیسی مقدس فریضہ کی ادائیگی کے حوالے سے ہر سال اخبارات میں اس خبر کا چھپنا کہ فلاں ٹریول ایجنٹ یا ایجنسی کے کرتا دھرتا سادہ ومخلص اور حج مبارک کا آرزو دل میں لئے ہوئے حجاج کرام کے داخلوں کی لاکھوں کروڑوں روپے لے کر فرار ہوگئے۔

اس کے علاوہ ہر سال حج سے واپس آنے والے حجاج کرام اکثر حکومت اور حج سے متعلق ومنسلک دیگر اداروں کے حوالے سے شکوہ وشکایات کا دفتر کھولے ہوئے نظر آتے ہیں۔فطری طور پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ہم مسلمان کب دین اسلام کا عرق ونچوڑ حاصل کرنے کے قابل ہوں گے۔کیا یہ ہماری حکومتوں کا فرض نہیں ہوتا کہ وہ ان عناصر کی بیخ کنی کرے جو مخلص وسادہ عوام کی سادگی کا استحصال کرتے ہوئے ہر سال حج کے مبارک نام پر لوگوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ان کے علاوہ آخر ہمارے مسلمان بھائی نبی ﷺ کی اس حدیث مبارک پر کب عمل پیرا ہوں گے کہ ''مؤمن ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا''۔آخر ہم کیوں ہر سال ایک ہی قسم کے

لوگوں کے ہاتھ پر اپنی جمع پونجی رکھ کر بے غم ہو جاتے ہیں کہ امت کے یہ غم خوار واقعی اللہ رسول کا خوف کرتے ہوئے، ہمیں حجاز مقدس پہنچائیں گے۔ حکومت وقت کا یہ فرض ہوتا ہے کہ ایک پوری وزارت جب اس کام کے لئے وقف ہے تو آخر کیوں لوگوں کو اپنے منظور نظر لوگوں سے مصائب و تکالیف کا شکار بننے سے محفوظ رکھیں۔

ایک دوسری اہم بات حج کے سلسلے میں یہ عرض کرنا ہے کہ ہمارے علماء وفقہائے کرام اس سوال کا جواب قرآن وسنت اور فقہائے کرام کی آراء کی روشنی میں تلاش کر کے اپنے اجتہادی آراء کے ذریعے ملک وقوم کے افراد اور حکومت کی رہنمائی کریں کہ جب حج کی فرضیت کے لئے صاحب نصاب اور صاحب صحت ہونا بنیادی شرائط حج میں شامل ہے، ملک وقوم کے آئی ایم ایف اور دیگر مالیاتی اداروں کے بوجھ تلے کراہتے ہوئے ناتواں کندھوں پر لاٹریوں اور قرعہ اندازیوں کے ذریعے سوار ہو کر حج پر جانا شرعاً جائز ہے۔ ان کی اس قسم کی ادائیگی فرض حج میں شمار ہوگی یا نفل میں۔ میرے خیال میں فرض کی ادائیگی میں تو اس لئے شمار نہیں ہوگا کہ ان لوگوں پر فرض ہی نہیں ہوا تھا تو فرض کی ادائیگی کے کیا معنٰی؟ ظاہر ہے دوسری صورت میں نفل کی ادائیگی رہ جاتی ہے، تو کیا نفل عبادت کے لئے پاکستان کے مختلف محکموں سے سینکڑوں ہزاروں افراد کا اس طریقہ سے حج ادا کرنا مقروض قومی خزانے پر ایک ایسا بوجھ نہیں ہے جو سراسر ناروا ہے۔

اس کے ساتھ منسلک ایک دوسرا مسئلہ یہ بھی آج کل کئی حضرات کے اذہان میں کلبلا رہا ہے کہ جب انفرادی طور پر فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے صاحب نصاب ہونا ضروری ہے اور کسی مقروض مسلمان پر حج فرض نہیں ہوسکتا تو کیا اس وقت جب پاکستانی قوم تقریباً پچاس ارب ڈالر کی مقروض ہے اور وہ بھی آئی ایم ایف اور دیگر مغربی اداروں کا، جن کی شرائط بہت کڑی ہیں اور بعض اوقات تو ہماری قومی حمیت وغیرت کو چیلنج کرنے کی صورت حال بھی پیش آجاتی ہے، اتنی بڑی تعداد میں اب مقروض قوم کے افراد کا ہر سال فریضۂ حج کی ادائیگی پر بلا مبالغہ اربوں روپے خرچ کرنا شرعی لحاظ سے کس کھاتے میں شمار ہوگا۔

میں یہ سوال روایتی فقہ کی روشنی میں نہیں بلکہ فرد اور قوم کا اسلامی ریاست یا تعلیمات کی روشنی میں جو تعلق ہے، کر رہا ہوں۔ جب ریاست/حکومت مقروض ہے وہ بھی غیر مسلموں کا، تو کیا افراد کا فرض نہیں ہے کہ چند سالوں کے لئے حج کی یہ رقم حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی طرح کہ مردار مرغی کھانے کے لئے لے جانے والی بچی کو اپنے حج کی زادراہ دے کر حج کئے بغیر واپس آ گئے تھے، قربان کرتے ہوئے حکومت کے خزانے میں اس

وقت تک جمع کرتے رہیں جب تک ہم بیرونی قرضوں سے نجات حاصل نہ کریں۔ میں یہ بات صرف حج کے حوالے سے نہیں کر رہا بلکہ آزمائش کی اس گھڑی میں ہر اس پاکستانی سے چاہتا ہوں جو صاحبِ ثروت ہے اور اپنی دولت کو خرچ کرنے کے بہانے ہی تلاش کرتا رہتا ہے کہ وہ آج ملک کو دیدیں کل ان شاءاللہ یہ ملک ان کو نفع کے ساتھ واپسی کے قابل ہوگا۔

مجھے یہ بات معلوم ہے کہ ہر مسلمان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ زندگی میں کم از کم ایک بار دنیا کے بتکدوں میں خدا کا وہ پہلا مبارک، مکرم ومحترم حرم اور روضۂ رسول کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرلیں۔ لہٰذا آج کے حالات میں چلو وہ صاحب نصاب مسلمان جو پہلی بار حج پر جا رہے ہیں سارے فلسفے اور اور ملکی ضروریات کو ایک طرف رکھ کر حج کے فریضے سے بے شک سبکدوش ہو جائیں لیکن آخر ہمارے وہ بھائی تو آج کے تلخ وترش ایام میں کچھ ایثار وقربانی سے کام لیں، جو الحاج بننے کے شوق میں ہر سال وہاں جانے کی کوشش میں ہوتے ہیں۔ کیا حضرت نبی ﷺ کی اس مبارک سنتِ جلیلہ سے رہنمائی حاصل نہیں کرسکتے کہ آپؐ نے صرف اور صرف ایک ہی حج جسے ''حجۃ الوداع'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ادا فرمایا تھا۔

کیا روضۂ رسولؐ کا شوق بسیار رکھنے والے عشاقِ رسولؐ اس واقعہ پر غور کرنا پسند فرمائیں گے کہ حضرت اویسؓ قرنی کو اپنی زیارت سے اس لئے محروم رکھا تھا کہ کہیں ان کی ضعیف والدہ ان کی خدمت سے محروم نہ ہوجائے''۔

اگر کسی کا دل پھر بھی ان باتوں کی طرف مائل نہیں ہوتا تو کیا ہمارے حجاج کرام حج کے مبارک سفر کا ارادہ کرنے سے پہلے اپنے اڑوس پڑوس اور گلی محلے میں موجود بے کس محتاج، بیمار اور بالخصوص ان ذہین مگر یتیم بچوں پر نظر ڈالنا چاہیں گے جو باپ کا سایہ نہ ہونے کی بناء پر تعلیم کے حصول کے علاوہ زندگی کی بنیادی ضروریات تک سے محروم ہیں۔ کیا ہمارے حجاج کرام کو معلوم ہے کہ نبی ﷺ خود بھی دُرِ یتیم تھے۔ اور شاید اسی بناء پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی محبت میں یتیم کے حقوق کی ادائیگی کا ذکر اپنے کلام پاک میں فرمادیا۔ کیا نبیِ پاک ﷺ کے صدقے ہم دوبارہ، سہ بارہ اور کئی بارہ حج پر جانے کی جگہ کسی یتیم کی کفالت کی ذمہ داری نہیں سنبھال سکتے۔ کیا اس عمل کے ذریعے ایک فلاحی معاشرے کی تشکیل کی بنیادیں نہیں پڑیں گی۔ کیا اسلامی عبادات کی روح ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان بھائی اور انسان کے لئے ہمدردی، محبت اور غم گساری کا جذبہ پیدا کرنا نہیں ہے۔

اگر یہ بھی آپ کو اپیل نہیں کرتا تو کم از کم وہ رقم تو محتاجوں، بے کسوں کے نام کر دیجئے جو آپ حج سے واپسی پر دس بارہ گاڑیوں، ہاروں سے لدی پھندی کاروں کے قافلے اور ان میں آپ کے استقبال کے لئے آئے ہوئے لوگوں کے کھانے پینے پر خرچ کرتے ہیں۔ کیا آپ سادگی کے ساتھ اپنے دو تین قریبی رشتہ داروں کی معیت میں کم خرچ کے ساتھ اپنے الحاج ہونے کا اعلان کئے بغیر استغفار کرتے ہوئے، اور پشاور کے چھوٹے سے ایئرپورٹ کو ازدحام سے بچاتے ہوئے گھر تشریف نہیں لے جاسکتے۔ اس کے علاوہ ان ایام میں ہر حج کے لئے کم از کم دس بارہ گاڑیوں کے پشاور شہر میں آنے سے جو مسائل جنم لیتے ہیں، اس میں عین ممکن ہے کہ ٹریفک جام کی وجہ سے کسی مریض، طالب علم اور ضرورت مند کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ جائے۔ اس پر مستزاد یہ روایت بھی شاید ہمارے ہاں ہی رائج ہے کہ چاروں صوبائی اور وفاقی دار الحکومتوں کے ایئرپورٹوں سے پہلی حج فلائیٹ کی الوداع اور استقبال کے لئے حکومتی وزراء اور افراد کا آنا جانا، ہار پہنانا، تصویریں اتروانا اور اخباروں میں چھپوانا وغیرہ۔ اس پر پروٹوکول اور گاڑیوں کے خرچ اخراجات کے علاوہ ہمارے حکومتی افراد کا جو وقت صرف ہوتا ہے، حج کے ایام میں دفتری امور کا جو ضیاع ہوتا ہے، یہ سب وہ چیزیں ہیں جو شاید ہی کسی دوسرے اسلامی ملک میں پائی جاتی ہوں۔ اس کے علاوہ اگر گھر بخیر وعافیت پہنچنے پر وہاں بھینس ذبح کر کے دیگیں چڑھا کر لوگوں کو چاول کھلانے کی بجائے یہ رقم چند ایک ضرورت مندوں کے ہاتھوں میں کسی کو بتائے دکھلائے بغیر اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ کے طور پر دیدیں تو یہ ہمارے معاشرتی خیر خواہی کے ساتھ ساتھ اخروی نجات کا باعث بھی بن سکتا ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است

اللہ پاکستان کو ہر بلا سے محفوظ رکھے۔ آمین

☆......☆......☆

ہماری شناخت

ہیرو (HERO) یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں، بڑی قوت اور طاقت والا انسان یا ایسا آدمی جو اپنی شرافت، بہادری کیلئے مشہور ہو اور اِن صفات کی وجہ سے لوگ اُس کو اپنا آئیڈیل مانتے ہوں۔ عربی زبان میں ہیرو کو بطل اور عظیم ہیرو کو بطلِ جلیل کہتے ہیں۔

قرآن پاک کی تعلیمات کے مطابق ابتداء میں سارے انسان ایک ہی امت میں شمار تھے اور یہ امت، امتِ مسلمہ کہلاتی تھی۔ آدم علیہ السلام کی اولاد میں قابیل کی اولاد میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جن کے کرتوتوں نے اُن کو شیطان کے پیروکاروں میں شامل کر دیا۔ یہیں سے انبیاؑء کے پیروکار اور شیاطین کے پیروکاروں کی راہ و عمل الگ الگ ہو گئے۔ انبیاؑء کے متّبعین میں جو لوگ جتنے زیادہ تقویٰ اختیار کر گئے وہ اللہ تعالیٰ اور نبیؐ کے سچے پیروکار ہو کر اپنے اپنے زمانے کے ہیرو یا ابطال کہلائے۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کے بعد آپؐ افضل الرسلؐ، اشرف الخلائق اور مصطفٰی و مجتبٰی اور رحمت للعالمینؐ اور صاحب مکارم اخلاق اور خُلق عظیم ہونے کی بناء پر ساری انسانیت کیلئے بالعموم اور مسلمانانِ عالم کیلئے بالخصوص سطح زمین پر اللہ تعالیٰ کے بعد بزرگ ترین ہستی قرار پائی۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر اِسی وجہ سے آپؐ کی ناموس و عزت پر قربان ہونے کیلئے تیار رہتا ہے۔ اور یہ اِس لئے ہوتا ہے کہ سارے مسلمان سارے انبیاء اور بالخصوص خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلّم کو اپنا محبوب ترین بطل عظیم (Hero of the Heros) مانتے ہیں۔ غیر مسلموں میں بھی سلیم الفطرت والعقل لوگ بھی آپؐ کو ہیرو مانتے ہیں۔ چند برس پہلے مائیکل ہارٹ جیسے عیسائی مؤرخ نے بھی آپؐ کو دُنیا کی عظیم ترین شخصیات کا ذکر کرتے ہوئے آپؐ کو "The Hundred" نامی اپنی تصنیف میں ٹاپ پر رکھ کر اِس بات پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ سچ ہے کہ "جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔"

دراصل ہیرو اور ہیروشپ کی غیر متنازعہ تعریف یہ ہے کہ وہ شخصیت جس کے اخلاق میں ایسی صفات پائی جاتی ہوں جن سے خلق خدا کو بلا تمیزِ رنگ و بو استفادہ کرنے کا حق و موقع حاصل ہوتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ جو مذہب، نسل، رنگ اور جغرافیہ کی تقسیم و امتیاز سے بالاتر ہوں، وہ بہترین انسانی صفات کی حامل

شخصیات کی تعریف میں رطب اللسان ہو کر اُن کو اپنے اپنے زمانے کا ہیرو مانتے ہیں۔ جیسے حاتم طائی، اور نوشیرواں عادل سخاوت اور عدل کی وجہ سے پوری دُنیا میں اب بھی بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی اِن حضرات کی تعریف فرمائی ہے۔ لیکن اِس کے علاوہ دینی، مذہبی یا قومی لحاظ سے ہر قوم کے اپنے اپنے ہیروز ہوتے ہیں، اور بعض اوقات تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک قوم کا ہیرو دوسری قوم کا ویلن شمار ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک وقت میں بعض لوگوں کیلئے Most wanted کی فہرست میں شمار ہوتا ہے لیکن وہ اپنی قوم کیلئے بطلِ جلیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند پر برطانیہ کی حکومت کے دوران ہمارے کتنے ہیروز علماء اور رھنما برطانیہ سرکار کو مطلوب تھے لیکن مسلمانانِ برصغیر کے دِلوں میں بستے تھے اور اب بھی بستے ہیں۔ اِسی طرح نیلسن منڈیلا کبھی گوری اقوام کے نزدیک مجرم تھا، لیکن افریقیوں کا ہیرو تھا اور ہے۔ یہاں تک کہ دیگر آزادی پسند اقوام بھی اُن کا احترام کرتی ہیں۔ لیکن بات دین، مذہب، تہذیب اور ملک وقوم اور ملتِ کی آجائے تو ہر قوم کے ہیروز اور ابطال الگ الگ متعین ہو جاتے ہیں۔ عالمِ اسلام پر اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا فضل وکرم رہا ہے کہ وہ اِس پُر آشوب دور میں بھی اپنے تہذیبی وفکری وجود کا آغاز "اسلام" سے ہی کرتے ہیں اور اپنی تاریخی شناخت و پہچان انبیاء کرامؑ ہی سے وابستہ کرتے ہیں۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت سے ماقبل زمانے کی پہچان "زمانۂ جاہلیت" کے عنوان سے کیا جاتا ہے اور بعثتِ نبیؐ کے بعد مسلمانوں کی ایک الگ تاریخ اور اُس تاریخ کے مطابق الگ ہیروز سامنے آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین قیامت تک دُنیا کے سارے مسلمانوں کے ہیروز ہیں۔ اِسی طرح صحابہ کرامؓ سارے مسلمانوں کیلئے نجوم (Stars) کا مقام رکھتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین اور تبع تابعین اور مابعد، یہاں تک کہ آج کے زمانے میں بھی وہ علماء، زعما، رہنمایانِ قوم دانشور، سائنس دان اور سیاستدان مسلمانوں کے ہیروز ہیں، جنہوں نے اپنی صلاحیتیں، علوم، اموال اور جد جہد اسلام کی حفاظت واشاعت اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کیلئے کیلئے وقف کر کے قربان کیا ہے۔

قیام پاکستان کی تحریک سے آج تک وقتاً فوقتاً قومیتوں کی ساخت وشناخت اور پھر اِس سلسلے میں ہیروز اور رھنماؤں وغیرہ کے بارے میں آوازیں بُلند ہوتی رہتی ہیں۔ اور قومیت اور قیادت کو وطن اور مٹی کے ساتھ باندھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن اہلِ نظر سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی مدینہ طیّبہ

میں ھجرت کے بعد مسلمان ہمیشہ کیلئے مٹی اور غیر مسلم اباواجداد کے ساتھ بطورِ مسلمان اپنا رشتہ اور شناخت ختم کر چکے ہیں۔ اِسی بناء پر حضرت ابوسفیانؓ جب ایمان لانے سے پہلے مدینہ منورہ میں اپنی بیٹی اُمِ حبیبہؓ کے گھر آتے ہیں تو آپ کی اپنی بیٹی آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے بسترِ مبارک پر بیٹھنے نہیں دیتی غزوۂ بدر میں باپ بیٹے کے سامنے اور بیٹا باپ کے سامنے اور اِسی طرح بہت سارے دیگر قریبی رشتہ دار ایک دوسرے کے سامنے تلوار لئے کھڑے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ ساری دُنیا کے مسلمان اسلام سے پہلے اِن سب رشتوں ناطوں کو کالعدم کر لینے پر بے حد فخر محسوس کرتے ہیں۔ برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کے لئے آبِ زمزم کا ایک قطرہ گنگا و جمنا اور راوی و سندھ کے شمال تا جنوب سے عزیز تر ہے۔ مکۃ المکرّم اور مدینہ منورہ اور نجف و کربلا کی خاکِ ہمیشہ کیلئے سارے مسلمانوں کی آنکھ کا سرمہ ہے۔ کاغان ہو یا مہران، ہمارا ایک بے دین سے بے دین بھی خواجۂ یثربؐ سے تعلق رکھنے کا یہی تقاضا جانتا ہے۔ یہی حال سب مسلمانوں کا ہے۔ مسلمانوں کے اہم ملک مصر میں ایک وقت یہ نعرہ گونجا کہ ہم سب الِ فرعون ہیں۔ وہاں کے ایک حکمران نے باقاعدہ اپنے جلسوں میں خطاب کا آغاز "یا ابناء الفرعون" اے فرعون کے بیٹو! سے کیا، لیکن مسلمانانِ مصر فراعنہ کی تہذیب پر لعنت ہی بھیجتے رہے۔ اسلامیانِ عراق بابل کی تہذیب کو صرف کھنڈروں کی صورت میں ہی دیکھنے کے روادار ہیں۔ اِسی طرح شام وفلسطین اور دیگر عرب ممالک عادوثمود کے ساتھ ماقبل اسلام اپنے سارے رشتے یکسر بھلا چکے ہیں اور آج مراکش سے لیکر انڈونیشیا تک اسلام ہی سے اپنا رشتہ وشناخت جوڑ رکھنے پر پورا پورا اتفاق پایا جاتا ہے۔ اسلام ہی اب اِن سب اقوام کا باپ ہے، اسلام ہی اِن سب کا نسب اور اسلام ہی اِن سب کا ہیرو۔

زمانے کے ہر "سپر پاور" نے ہمیشہ سے کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کے اندر مختلف حیلوں بہانوں، ترغیب وتحریص، مکر وفریب اور فنون وعلوم کے ذریعے مختلف ناموں سے ایسے لوگ سامنے آتے رہتے ہیں جو ہمیں نئے سرے سے ہمارا نسب پڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اِس سلسلے میں آج کل ماہرینِ آثارِ قدیمہ اور کچھ انتھروپالوجسٹ کی خدمات بھی حاصل کی جاتی ہیں تاکہ وہ "آسمان" سے ہمارا رشتہ کاٹ کر ازسرنو "زمین" [مٹّی] وغیرہ سے جوڑ دیں۔ یہ کام برطانیہ اور یورپ کی اقوام نے دوسو سال تک کیا اور اب آج کا سپر پاور بھی یہی کوشش کررہا ہے لیکن وہ ہمیں اتنی طویل مدت تک پڑھانے کے بعد یہ سبق یاد کرا لینے میں

کامیاب نہ ہو سکے۔ البتہ ہمارے ہاں بعض اوقات اِن کو ایک آدھ ایسا لائق شاگرد مِل جاتا ہے جو اِن کا پڑھایا ہوا سبق نہ صرف یاد رکھتے ہیں بلکہ وقتاً فوقتاً کوشش کرتے ہیں کہ وہ ہمیں بھی یہ سبق پڑھالیں، لیکن اِس قدر طاقتور ذرائع ابلاغ اور لائق شاگرد رکھنے کے باوجود اُن کی اِس قسم کی آوازیں منحنی اور ضعیف ہوکر اسلامی ملکوں میں پنج وقتہ گونجتی اذانوں کی آوازوں میں دب کر رہ جاتی ہیں۔ اِس پر ہم جتنا بھی اللہ کا شکر کرسکیں، سچ یہ ہے کہ کم ہے۔

☆......☆......☆

یومِ ماں (Motherday) کیوں؟

مغرب میں ریاست اور چرچ کی علیٰحدگی کے بعد صنعتی انقلاب کے اثرات کے تحت وہاں کا جو ادارہ سب سے زیادہ متاثر ہوا وہ معاشرے کی بنیادی اور اہم اکائی ''خاندان'' ہے۔

صنعتی انقلاب کے نتیجے میں مغرب میں سائنسی ایجادات نے وہاں کے انسان میں دو اہم تبدیلیاں رونما کیں، ایک یہ کہ وہ حد سے زیادہ مشغول ہوکر مادہ پرست بنا اور دوسری یہ کہ وہ عیش پرست بن گیا۔ مادہ پرستی اور عیش پرستی نے وہاں ایک ایسی معاشرتی صورتحال پیدا کردی جس میں کسی ایک فرد کے پاس دوسرے کے لئے کوئی وقت، احساس اور پاس وغیرہ کا امکان کم سے کم ہوتا چلا گیا۔

خاندانی رشتے چاچا، ماما، خالہ، خالو، ننھیال، دودھیال اور سسرال وغیرہ سے سکڑتے سکڑتے صرف میاں بیوی اور بچہ بچی تک محدود ہوکر رہ گئے۔ اب تو مغرب سائنسی اور مادی تہذیب وتمدن کے تحت ہانپ کانپ کر اس حد تک ہلکان ہوا ہے کہ وہاں کا انسان صرف ایک ہی خدا کو مانتا ہے جو ذاتی آزادی، تعیش پسندی اور مادہ پرستی کی روپ میں ڈھل کر [نعوذ باللہ] ''دنیا میں مال کے سوا کوئی معبود نہیں'' کے نظریہ کے تحت ساری دنیا کے وسائل پر قبضہ جمانے کی خواہش کی صورت میں ظہور پذیر ہوا ہے۔ اس نئی تہذیبی ساخت کے تحت تو اب وہاں باپ کی ضرورت نہیں رہی اور نکاح کا ادارہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوکر میاں بیوی کا جھنجھٹ پالنے کو بھی گوارا نہیں کیا جاتا اور اس کا آسان متبادل بوائے اور گرل فرینڈ کی صورت میں سامنے آیا ہے لیکن اس کے باوجود ''ماں'' اپنی جگہ پر کسی نہ کسی صورت قائم ہے گو کہ مادی تہذیب کی خودغرضیوں نے وہ ''ماں'' رہنے ہی نہیں دی جن کا وجود زندگی کی کڑی دوپہر میں ٹھنڈے سہائے کے سائبان کا کردار ادا کرتی تھی۔ لیکن یہ بھی ماں کی عظمت کی ایک حقیقت ہے کہ وہ مغرب جہاں ماں باپ ناپید ہورہے ہیں یا کچھ عرصہ کے پہلے کے بوڑھے ماں باپ ''اولڈ ہاؤسز'' میں سال کے خاص موقع ''کرسمس ڈے'' پر اپنے رعشہ زدہ ہاتھوں میں اپنے سر تھامے ڈاکیہ کے آنے کا انتظار کرتے ہیں تاکہ دنیا کے جھمیلوں میں مشغول اپنے کسی بیٹے یا بیٹی کا کارڈ وصول کرکے بار بار پڑھے اور تنہائی کی بوجھل ساعتوں میں ماضی کے چند خوشگوار لمحات کو آواز دے سکیں۔

والدین کو اولڈ ہاؤسز بھیجنے کی تہذیب بھی سائنس کی کرشموں کی ایجاد ہے۔ والدین کے پاس اولاد کے

لئے جب وقت باقی نہیں رہتا اوران کو بچپن میں نرسری ہاؤسز میں بھیج دیا جاتا ہے تو بچے، بچپن میں والدہ کے سینے سے چمٹے رہنے کے عمل سے محرومی کی بناء پر ''امومیت'' کی خوشبو سے معطر نہیں ہو پاتے۔ لہذا والدین اور بچوں کے درمیان وہ تعلق کبھی استوار ہی نہیں ہو پاتا جو ساری آسمانی کتب کی مشترک تعلیم ہے اور قرآن کریم نے اس کا نچوڑ بہت سادہ الفاظ میں انسانیت کے سامنے پیش کر دیا ہے کہ ''والدین کو اف نہ کیجئے اور نہ کبھی ان کو جھڑکیں''۔

والدین کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی تفصیل قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ نبی ﷺ نے اپنے والد بزرگوار کو نہیں دیکھا اور آپ ﷺ کی والدۂ ماجدہ بھی آپؐ ابھی بچے ہی تھے کہ وفات پا گئی لیکن اسلامی تعلیمات سے یہ بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ اگر نبی ﷺ کو اپنے والدین کی صحبت میسر آتی تو معلوم نہیں کہ والدین کی خدمت کا کیا معیار متعین ہوتا۔ لیکن اندازہ لگائیے کہ نبوت کے بعد بھی جب آپؐ ابواء کے مقام پر آئے تو اپنی والدۂ ماجدہ کی یاد میں آبدیدہ ہو گئے۔

ماں کی یہی مسلمہ حیثیت ومقام ہے کہ قدیم یونانی، مصری، رومن اور ہندی تہذیبوں میں بھی ماں کو وہی احترام حاصل تھا۔ جس کو اسلام نے بدرجۂ اولیٰ آگے بڑھایا۔ لیکن جب سے دنیا میں موجودہ مغربی تہذیب نئی سائنسی ایجادات، مادی ضروریات اور خودغرضانہ نظریات کے ساتھ سامنے آئی ہے۔ انسان نے بہت کچھ پا کر بھی وہ انمول موتی کھو دی ہے جسے ''ماں'' کہتے ہیں۔ لیکن مغرب میں بھی انسان فطرت سے مجبور ہو کر اپنے فطری تقاضوں اور ضروریات کی تکمیل کے لئے کوئی نہ کوئی طریقہ نکال ہی لیتا ہے۔ مغرب نے بھی اٹھارویں اور انیسویں صدی کے بے لگام ڈارونی اور فرائیڈی نظریات اور اس کے نتیجے میں تشکیل شدہ تہذیب اور پروٹسٹنٹ کی کامیابیوں کے باوجود بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں یہ محسوس کیا کہ اب چونکہ معاشرتی اقدار تو بکھر چکی ہیں لیکن کیوں نہ گئے دنوں کی یاد منانے کے لئے دنوں کو منانے کی طرح ڈالی جائے۔ لہٰذا اس زمانے میں جب امریکہ میں سول وار [خانہ جنگی] زور پر تھی، ریاستِ ورجینیا کی ایک انیا نامی خاتون نے بہت مفلوک الحالی میں اپنی وفات شدہ ماں کو یاد کرنے کے لئے مدرز ڈے (Mother's Day) کا تصور پیش کیا۔ مسلسل کوششوں کے طفیل پورے امریکہ میں ۱۹۱۴ء تک مدر ڈے منانے کو قومی سطح پر تسلیم کر لیا گیا۔

اسی طرح مغرب میں اور بھی بہت سارے دن منائے جاتے ہیں۔ مثلاً یکم اپریل کو فول ڈے، ویلنٹائن ڈے، بلائنڈ ڈے، ماحولیات کا عالمی دن، یوم مزدور اور معلوم نہیں کتنے اور دن اور یوم منائے جاتے ہیں۔ مجھے

ایام منانے کی افادیت سے انکار نہیں لیکن تھوڑا اختلاف ضرور ہے۔ مغرب کی اندھی تقلید میں ہر دن کو اسلامی معاشروں میں منانا میری رائے میں مناسب نہیں۔ مثلاً پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک بہت تندہی کے ساتھ یکم مئی کو یوم مزدور مناتے ہیں۔ شکاگو میں یکم مئی کو اسی [۸۰] کے قریب مزدوروں کی مزدوروں کے حقوق کے نام پر خودکشی کرنے میں کون سی ایسی بات ہے جس کو مسلمان منائیں۔ دن تو اس لئے منائے جاتے ہیں تاکہ لوگ اس سے متاثر ہو کر اسی راہ پر چلتے رہیں۔ کیا اسلامی ملکوں میں بھی مزدور یونین کے عہدیداروں کے لئے شکاگو کے مزدوروں کی تقلید کسی طرح بھی جائز ہو سکتی ہے۔ کیا ہمارے لئے وہ مبارک دن ''یوم مزدور'' کے طور پر منانا قابل تقلید نہیں جس دن نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر مدینہ منورہ کی چھوٹی سی اسلامی ریاست کی حفاظت کے لئے پیٹ پر پتھر باندھ کر خندق کھودتے ہوئے پسینہ بہا کر گرد و غبار سے اٹ گئے تھے۔

اسی طرح فول ڈے، ویلنٹائن ڈے، بسنت وغیرہ کے ایّام نہ صرف اسلامی لحاظ سے بلکہ قومی لحاظ سے بھی منانا بدعت کے مترادف ہے۔ اسلام تو سیدھا سادھا دین ہے، جو کام اچھا اور انسانیت کے لئے مفید ہے اسے ہمیشہ جاری رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور جو انسان کے لئے مضر اور نقصان دہ ہے اسے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

ماں جیسی عظیم ہستی کو سال میں ایک دن کے ساتھ باندھ کر منانا مغرب کی ضرورت تو ہو سکتی ہے کیونکہ ان کے پاس سال کے ۳۶۴ دنوں میں ماں یا باپ کے لئے کوئی وقت ہوتا ہی نہیں، لیکن یہ ہماری ضرورت کیسے بن سکتی ہے جہاں یہ حکم موجود ہے کہ ہر وقت ماں کے قدموں کے نیچے رہو کیونکہ یہاں جنت ہے۔ یہ اس قوم کی ضرورت نہیں ہے جس میں اولاد کے لئے حکم ہے کہ ''والدین کے چہروں پر رحمت بھری نگاہیں مرکوز رکھا کرو کہ اس سے مقبول حج کا ثواب ملتا ہے۔ جہاں اولاد اور اولاد کا سارا مال و متاع شرعاً والدین کا ہے۔ جہاں اولاد کے لئے حکم ہے کہ روزانہ نماز میں پانچ دفعہ والدین کے حق میں دعا مانگا کرو' اے میرے پروردگار! میرے والدین کی مغفرت فرمائیے''۔ اے میرے رب ان [میرے والدین] پر اسی طرح رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھ پر رحم کیا تھا جب میں چھوٹا تھا۔

میرے خیال میں پاکستان جیسے اسلامی معاشرے میں ہر قسم کے دن منانا ایک فیشن، مغرب کی تقلید اور کچھ تجارتی چالیں تو ہو سکتی ہیں لیکن پوری قوم کو میڈیا کے ذریعے اس بخار میں مبتلا کرنا کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔

اسلامی تعلیمات کا مختصر نچوڑ یہ ہے کہ جن حضرات کو والدین کی نعمت میسر ہے یعنی والدین زندہ ہیں۔ وہ

ان کی خدمت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرے اور جن کے والدین اس دنیا میں نہیں ہیں ان کی مغفرت اور درجات کی بلندی کے لئے اولاد کا فرض ہے کہ ایسے نیک اعمال اور صدقات جاریہ کریں کہ ان کا صلہ ان کے والدین کو ملے۔

جبرئیل امین نے اس شخص پر رمضان المبارک کے مہینے میں لعنت بھیجی ہے اور نبی ﷺ نے اس پر آمین فرمائی ہے جس کے والدین زندہ ہوں اور وہ ان کی خدمت کرنے کے بدلے اپنے لئے جنت نہ کما سکے۔

جس دین میں اتنی جامعیت کے ساتھ ہر کام اور عمل کے بارے میں اتنی سادہ، آسان اور قابلِ عمل تعلیمات موجود ہوں ان پر عمل کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ لہذا وقت کا تقاضا ہے کہ قوم وملّت کی نوجوان نسل کو والدین اور بزرگوں کی عزت اور احترام کی تعلیمات سے بہرہ ور کرنے کی منصوبہ بندی کی جائے تاکہ اچھے والدین اور نیک اولاد کے ذریعے ایک بہترین معاشرے کی تشکیل ممکن بنائی جا سکے۔

نئی نسل کو والدین اور بزرگوں کی خدمت اور عزت واحترام پر مائل رکھنے کے لئے ان کو قرآن وسنت کی اس تعلیم کی طرف لانا ضروری ہوگا جس کا ثانی کسی بھی قوم وملت کے پاس نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور آفاقی ہے۔ ورنہ ایام کے منانے سے نہ پہلے مسائل حل ہوئے ہیں اور نہ آئندہ ہوں گے۔

☆......☆......☆

پاکستان میں آزاد میڈیا کا دور اور ہماری تہذیبی اقدار کو خطرات

یہ بات بطور لطیفہ طالب علمی کی زمانے میں سنی تھی کہ ایک انگریز نے کسی پاکستانی فلم میں ہیرو اور ہیروئن کو ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے ہوئے محبت کے اظہار کے لئے پارکوں، سرسوں کی کھیتوں یا درختوں کے اردگرد آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے بندروں کی طرح اچھلتے کودتے دیکھا تو بے اختیار یہ کہا "شریف لوگ کہیں آرام سے بیٹھ کر ایک دوسرے سے محبت کا اظہار نہیں کر سکتے۔" یہ بات پاکستان میں مختلف ٹی وی چینلز پر آج کل شریف لوگوں کو مشکل سے دوچار کرنے والی شعیب ملک وغیرھم کی کہانی کو دن رات بڑھا چڑھا کر بیان کرنے سے یاد آئی۔ دِل چاہتا ہے کہ میڈیا والوں سے پوچھ لوں کہ آخر تم لوگوں کے ہاں اخلاقیات اور اسلامی اقدار نام کی بھی کوئی چیز ہے کہ نہیں۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق کسی خبر کو چلانے سے پہلے لازم ہے کہ اُس خبر کی خوب تحقیق کی جائے تاکہ انجانے میں کسی کو اُس خبر کی وجہ سے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ "ایک آدمی کو جھوٹا ہونے کیلیئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سُنی سنائی بات کو تحقیق کئے بغیر آگے سُنائے"

اسلامی تعلیمات کے مطابق کسی کو کسی دوسرے انسان کی جاسوسی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگرچہ آج کل حکومتوں کی ایجنسیاں ملک وقوم کی حفاظت وسلامتی کیلیئے جائز سمجھتی ہیں اور شاید ایک حد تک جائز بھی ہو لیکن اسلام گھروں کے اندر جھانکنے کی اجازت بالکل نہیں دیتا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے مدینہ منورہ کے مضافات میں ایک گھر کے اندر سے موسیقی کی آواز سُنی تو دیوار جھانک کر دیکھا کہ ایک آدمی موسیقی سنتے ہوئے شراب نوشی بھی کر رہا ہے۔ آپؓ نے کہا، "اے دشمنِ خدا تمہارا کیا خیال ہے کہ تو بچ کر گناہ کر سکے گا۔" اُس آدمی نے جواب میں کہا۔ اے امیر المؤمنین! میں تو ایک گناہ کر رہا تھا، آپؓ نے بیک وقت تین اسلامی احکامات کی خلاف ورزی کی۔ ایک یہ کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ لوگوں کی [گھروں] میں جاسوسی نہ کرو، دوسری یہ کہ جب بھی کسی کے گھر آؤ، تو دروازے پر دستک دے کر اور اجازت حاصل کر کے آؤ، تیسری یہ کہ سب سے پہلے سلام کرو۔" جبکہ آپؓ نے اِن میں سے کسی بات کا خیال نہیں رکھا۔ آپؓ نے اُس آدمی سے آئندہ اِس گناہ کا ارتکاب نہ کرنے کا عہد لے کر معاف کر کے چھوڑ دیا۔"

اب ذرا ہماری آج کی شوخ وشنگ وشریر میڈیا کی خبر لیجئے۔ اِس کے باوجود کہ "آزاد میڈیا" کے نام

سے پاکستان میں کچھ اچھے کام بے شک ہوئے ہیں، لوگوں کو میڈیا کا یہ کردار بخوبی یاد بھی ہے اور پسند بھی ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں چیف جسٹس کی بحالی کی تحریک میں میڈیا کا مثبت کردار ہمیشہ یادرکھا جائیگا۔حکومت کی طرف سے ایک بڑے میڈیا چینل پر پابندی سے کروڑوں اربوں کا نقصان برداشت کرنا لیکن حقائق پر سمجھوتہ نہ کرنا یقیناً قابلِ تعریف ہے۔شہروں اور دور پار کے علاقوں میں عوام کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کرنے والوں یا اُن کے حقوق کو غصب کرنے والوں کے خلاف اجتماعی شعور وضمیر کو بیدار کرنا آج کی میڈیا کا بہت مستحسن اقدام ہے۔پاکستان کے جبّارین کے کرتوتوں پر نظر رکھ کر عوام کے سامنے لانا بہت بڑا کام ہے۔اِسی طرح دیگر بہت سارے حوالوں سے آج پاکستان میں میڈیا ایک بہترین کردار ادا کر رہا ہے۔لیکن اِن ساری اچھائیوں اور خوبیوں کے باوجود افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری میڈیا نے ابھی تک [اور مستقبل میں بھی کچھ زیادہ اُمید نہیں] وہ کردار ادا نہیں کیا جو پاکستان جیسے ایک اسلامی ملک کے لئے ضروری اور اُس کے شایانِ شان ہو۔

میں سمجھتا ہوں کہ میڈیا کا وہ کردار اتنا اہم اور مقدس ہے کہ اگر صحیح معنوں اُس کو ادا کیا جائے تو معاشرے میں ایک خوشگوار انقلاب آجائے۔ مجھے احساس ہے کہ عالمی سطح پر میڈیا کا کنٹرول کسی "اور" کے ہاتھ میں ہے اور وہ لوگ میڈیا کے ذریعے اپنے اہداف حاصل کرنا چاہتے ہیں، مجھے اِس بات کا بھی بخوبی احساس ہے کہ پرنٹ اور لیکٹرانک میڈیا کو رواں دواں رکھنے کیلئے اشتہارات جسم کیلئے خون جیسے ہیں، لیکن کوئی مسلمان دل پر ہاتھ رکھ کر اللہ کو حاضر و ناظر جان کر اور جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلّم کی مقدس تعلیمات اور مسلمانوں کیلئے منتخب کردہ پاک وصاف زندگی کو سامنے رکھ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ آج ہماری میڈیا سرکاری اور غیر سرکاری دونوں، جو اشتہارات چند سکوں یا ٹکّوں کو کمانے کیلئے دھڑا دھڑ اور مسلسل دن رات دکھاتی ہیں، اسلامی معاشرے میں کسی طرح بھی اِس کا جواز ثابت کیا جاسکتا ہے۔کیا کسی نے اِس حوالے سے کوئی سروے، کوئی تحقیق کی ہے یا کوئی ڈیٹا جمع کیا کہ ہمارے معاشرے بالخصوص نوجوان نسل پر اِس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ہماری نوجوان نسل اِسی میڈیا کی وجہ سے اپنے اسلامی اور معاشرتی وسماجی اقدار سے روز بروز دور ہوتی جارہی ہے۔

نوجوان نسل اور آج کی تیز طراز میڈیا کے حوالے سے چند باتیں بہت اہم ہیں۔ ایک یہ کہ میڈیا، اشتہارات، ڈراموں اور تفریح کے نام پر جو کچھ پیش کر رہی ہے یہ ہماری نوجوان نسل میں بے حیائی کو عام کر رہی ہے۔دوسری طرف بے روزگار نوجوان نسل جرائم کی طرف مائل ہورہی ہے۔ اِن دونوں بڑے جرائم اور گناہوں کے سبب مسلمان معاشرے، انتشار اور انارکی کی طرف جارہے ہیں۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ

ہماری میڈیا عالمی میڈیا[جو یہودیوں کے کنٹرول میں ہے] کے زیر اثر وہ جھوٹ بھی چھاپنے پر مجبور ہو جاتی ہے جو کسی طور بھی مسلمان معاشرے میں نہیں چھاپنا چاہیے۔

یہودی وثائق (Protocols) میں اِس بات کا خصوصی طور پر عہد کیا گیا ہے کہ ذرائع ابلاغ اور صحافت کو ہاتھ میں رکھنا اپنے نظریات و مقاصد پھیلانے کیلئے بہت ضروری ہے۔ آج ہر باشعور انسان کو معلوم ہے کہ یہودی میڈیا کی مرضی ومنشا کے بغیر دُنیا بھر میں عوام کو کوئی ایک خبر یا اعلان نہیں پہنچ سکتا۔ آج دُنیا بھر کی اشاعتی اداروں اور الیکٹرانک میڈیا کو وہی کچھ پہنچ رہا ہے جو یہودی بڑے ڈکٹیٹ کراتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشروں میں اسلامی اقدار بالخصوص حیا وعفت اور امانت وشرافت جیسی اقدار کو سخت خطرات درپیش ہیں۔ میڈیا میں اتنی دھن ودولت شامل کی گئی ہے کہ اچھے اچھوں کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں لیکن اِس وقت اس نقطۂ نظر پر تفصیلی بات پھر کسی مجلس ہوگی آج تو پاکستانی میڈیا سے صرف اتنی سی درخواست ہے کہ خدارا، اب بس کریں۔ شعیب ملک، عائشہ یا ماہا صدیقی اور ثانیہ مرزا کی یہ ناپسندیدہ کہانی یا ڈرامہ پاکستان میں مزید نہ دکھایا جائے، کیونکہ اس کے ذریعے اب نہ صرف نکاح جیسے مقدس اسلامی بندھن کی توہین کی جارہی ہے بلکہ مسلمان گھرانوں میں نوجوان بچیاں یہ دیکھ دیکھ کر والدین اور بھائیوں سے شرم وحیا کے مارے سمٹ سمٹ کر رہ جاتی ہیں۔

شعیب ملک اور دیگر کے حوالے سے ذرا اندازہ لگایئے کہ اِس اسلامی قدر کی کتنی خلاف ورزی کی گئی ہے کہ ایک لڑکی کے ساتھ بغیر نکاح کے وہ رہتا رہا ہے اور لڑکی کے والدین نے اِس اہم اسلامی نقطۂ نظر کی کتنی خلاف ورزی کی ہے کہ مبینہ زبانی کلامی منگنی کو پانچ سال ہونے کے باوجود وہ شعیب ملک یا اُس کے گھر والوں سے رخصتی وغیرہ کی بات نہیں کرتے۔ آخر کیا وجہ تھی کہ منگنی کے بعد پانچ برس فریقین خاموش رہے اور اب جب چُپ کا روزہ توڑا تو اب دونوں طرف سے شرافت کی حدود اور اقدار کو بری طرح پائمال کیا جارہا ہے۔ کیا مسلمان گھرانوں میں شادی بیاہ اور نکاح کے مقدس بندھنوں کو اس طرح برتا جاتا ہے۔

ہم ناظرین [تماشائی] چونکہ اندر کی بات سے بے خبر ہیں اور ہمارا اِس سے کوئی تعلق بھی نہیں، لیکن پاکستانی میڈیا سے دست بستہ عرض ہے کہ اِس حوالے سے جو ہوا سو ہوا۔ اب مزید اِس سلسلے میں اسلامی اقدار، پاکستان اور عفت وحیا کے معاملات کو داغدار نہ کیا جائے۔

میڈیا کو بھی خوف خدا کر کے اب گھروں کے اندر کی باتیں عوام کو دکھا کر تماشا دکھانے کی روش ترک کرنی چاہیے۔ شعیب ملک کو بھی قومی کرکٹ ٹیم کے ایک اہم رکن اور ایک ذمہ دار پاکستانی کا کردار ادا کرنا چاہیے اور

ھندوستان کی تہذیبی رنگ کو اپنے اوپر اتنا نہیں چڑھانا چاہیے کہ ثانیہ مرزا کے گھر میں اُس کے ساتھ اُن کے رقص کے مناظر کو چلمنوں سے نوجوان مسلمان نسل دیکھ کر خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑنے کے مصداق رنگ پکڑے۔

ہم نے تو آج تک ایسا تماشا کہیں نہ دیکھا تھا نہ سُنا تھا جو دیکھنے کو مِلا ہے۔ ہمارا تو شروع دن سے یہ خیال ہے کہ اِس کرکٹ نے سوائے محترم عمران خان اور جاوید میاں داد کے ہمیں کوئی ڈھنگ کا آدمی نہیں دیا ہے۔ کرکٹ کے میدان میں جن جن حوالوں سے ہماری بے عزتی اور بے حرمتی ممکن ہوسکتی تھی وہ ہوچکی، البتہ عمران خان کے ہاتھوں ۱۹۹۲ء کے ورلڈ کپ کی وجہ سبز ہلالی پرچم کا دُنیا بھر کے سامنے لہرانا تاریخ کا حصہ رہیگا، باقی تو اللہ اللہ، خیر صلا۔

اِس کرکٹ منحوس نے ہماری نوجوان نسل کو جہاں تعلیم وتعلم کے میدان میں کمزور کیا وہاں اخلاقی اقدار کو بھی بری طرح متاثر کیا۔ رمضان کے مبارک مہینے میں دِن کے اوقات میں ہمارے کھلاڑی دیگر غیر مسلم ممالک کے کھلاڑیوں کی طرح چیونگم منہ میں چباتے ہوئے شانِ استغنا کے ساتھ بال کرتے ہیں۔ نوجوان نسل اُن کو روزہ کے بغیر دیکھ کر سوچتے ہیں کہ اگر اِن لوگوں کیلئے روزہ معاف ہے تو ہمارے لئے بھی کوئی چھوٹا موٹا بہانہ کر کے معاف کیوں نہیں ہوسکتا۔

سیکنڈلز بنانا، اور شراب جیسی ام الخبائث کے اشتہارات میں نمودار ہونا ہمارے کرکٹرز کیلئے کوئی عیب کی بات نہیں رہی۔ ہاں مجھے اِس بات کے اعتراف میں خوشی بھی محسوس رہی ہے کہ ہماری کرکٹ ٹیم میں محترم سعید انور، انضمام الحق اور مشتاق احمد وغیرہ جیسے حضرات بھی موجود تھے۔ لیکن اِن جیسے لوگوں کیلئے سارے احترامات کے باوجود شعیب ملک جیسے کرکٹر کی وجہ سے اِس وقت اسلامی اقدار اور وطن عزیز کی جو بے حرمتی ہورہی ہے اِس کو بند ہونا چاہیے۔ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں یہ ایشو پھیلتے پھیلتے انڈیا اور پاکستان کے درمیان تناؤ میں مزید اضافہ کا سبب نہ بن جائے، لہٰذا کافی کو کافی سمجھتے ہوئے اِس ناپسندیدہ موضوع کے پنڈورا بکس کو یہیں پر ڈھانپ دینا چاہیئے۔ اِس میں میڈیا کا یہ کردار بہت زیادہ پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائیگا اگر اِس کو مزید نمک مرچ اور مصالحہ جات کے ساتھ پیش نہ کیا جائے۔ اِس کو بس دو خاندانوں کے درمیان کے خانگی معاملات کا درجہ دے کر نظر انداز کیا جائے تو اِس کے بڑے فوائد ہوں گے۔ اگر پاکستانی میڈیا شعیب ملک اور صدیقی خاندان، بال ٹھاکرے اور ثانیہ مرزا کے واقعات وحالات اور ردِعمل وغیرہ کو متعصب انڈین میڈیا سے اخذ کر کے دکھاتا رہا تو اِس کے نتائج کسی طرح بھی ہمارے لئے اچھے نہیں ہوں گے۔

تہذیب وثقافت عالمی تناظر میں

انسان کی معلوم تاریخ کے مطابق دُنیا میں انسانی تاریخ کے حوالے سے دو متضاد و مختلف آراء ونظریات چلی آرہی ہیں۔ایک نظریہ بلکہ عقیدہ مسلمانوں کا ہے دوسرا غیر مسلموں کا۔مسلمانانِ عالم کا ایمان وعقیدہ ہے کہ حضرت آدمؑ پہلے انسان اور اِس کے ساتھ ہی پہلے پیغمبر خدا بھی تھے۔لہٰذا انسان وپیغمبر کی حیثیت سے اُنہوں نے زمین پر ایک دن بھی "پتھر کے زمانے" کا نہیں گزارا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو نبوت اور علم الاسماء عطا ہوئی جس کی روشنی میں اُنہوں نے اپنی زمینی زندگی کی ابتداء پیغمبرانہ حیثیت سے کی۔

غیر مسلموں، لادینوں اور دیگر فرقوں کے نزدیک زمین پر انسانی زندگی اور ارتقائی مراحل کے ذریعے آگے بڑھی اور پتھر کے زمانے میں پیٹ اور جنس اور ذاتی دفاع وحفاظت اِس کی زندگی کے محور ومقاصد تھے۔ یہاں تک کہ سولھویں اور سترھویں صدی میں انسان آہستہ آہستہ پتھر کے زمانے سے نکل کر آج کے جدید ترین دور میں داخل ہوا۔

زندگی کے بارے میں انہی متضاد نظریات کی بناء پر قدیم زمانے سے مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کے درمیان ایک فطری رسہ کشی چلی آرہی ہے۔بعض اوقات تو اِن کے درمیان اختلاف ایک ایسی گہری خلیج کی صورت اختیار کر لیتا ہے جس کو پاٹنا ناممکن دکھائی دیتا ہے۔کیونکہ تہذیب وتمدن اور ثقافت کا تعلق انسان کے زندگی کے بارے میں نظریات اور دینی ومذہبی عقائد سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ مختلف تہذیبوں کے ماننے والے مختلف راہوں کے مسافر ہوتے ہیں اور اُن کی منزلیں الگ الگ ہوتی ہیں۔

دُنیا کی مختلف تہذیبوں اور تمدنوں کے درمیان اختلاف کی وجہ ان تہذیبوں کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا نہیں بلکہ اِس میں اختلاف کی بنیاد مذاہب وادیان کا اختلاف ہے جن سے یہ تہذیبیں نکلی ہیں اور الگ الگ تمدن وجود میں آئے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ایک ملک میں تہذیب وتمدن کی وہ شاخیں جن کا تعلق دین ومذہب کے ساتھ ہوتا ہے، قبائل کے مختلف ہونے کے باوجود ایک جیسی ہوتی ہیں لیکن اگر ایک ہی خطے اور علاقے کے لوگ مختلف مذاہب کے پیروکار ہوں تو اِن کے درمیان تہذیب وتمدن اور ثقافت ورسوم ورواج کے اختلافات کا پایا جانا ناگزیر اور فطری ہے۔

تاریخ نے جب سے مختلف ادیان و مذاہب کو اپنے اوراق میں محفوظ کیا ہے اُس وقت سے مختلف ثقافتوں نے بھی اِس میں جگہ بنائی ہے اور جب تک روئے زمین پر مختلف مذاہب کا وجود رہے گا تب تک مختلف ثقافتیں بھی اِس عالم رنگ و بو میں پائی جاتی رہیں گی۔ لہٰذا جس طرح ماضی میں مختلف مذاہب کا وجود تہذیبوں کے اختلاف کی بنیاد بنا ہے، اِسی طرح مستقبل میں بھی رہے گا۔

اِن معروضات میں پیش کئے گئے مسلمہ حقائق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تہذیب وتمدن میں اصل عنصر دین ہے۔ اِسی اصول اور کلیّے پر تاریخ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے متفق نظر آتے ہیں، چنانچہ یہی دین ہے جو قوم کے مزاج، معاشرے اور تہذیب وثقافت پر اثر انداز ہوتا ہے مثلاً امریکہ اور مغرب وغیرہ میں کتّے یا خنزیر کا انسان کو سونگھنا وغیرہ کسی اہمیت کا حامل نہیں گردانا جاتا لیکن کسی مسلمان کے کپڑے یا جسم کو یہی جانور مس کر جائے تو ناپاک کہلاتے ہیں۔ اِسی طرح مسلمان، دین میں جواز کی بناء پر گائے کا گوشت کھاتے ہیں لیکن ھندو اِسے پوجتے ہیں۔ چنانچہ اِسی اختلاف کی بناء پر ایک قوم کے ہاں اخلاق سنورتے اور دوسرا اِس کو بگاڑ سمجھتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی لادینیت والحاد و آزادی کے سیلاب میں بہہ اِس کو بگاڑ سمجھتا ہے۔ اندھی تقلید کے دلدل میں پھنس کر اپنی تہذیب وتمدن کو ترک کر کے غیروں کی ثقافت کو اپنا لے تو اِس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تہذیب وثقافت کے ساتھ ساتھ اُس کا دین بھی اُس سے رخصت ہونے لگتا ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں بیان کردہ موضوع کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ تہذیب وثقافت، محض چند رسوم و رواج اور افکار و خیالات کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ تہذیب وثقافت کی خمیر بنیادی طور پر مذھب سے اُٹھتی ہے۔ کسی بھی تہذیب میں پائے جانے والے نظریات و خیالات اور اِس میں موجود رسوم و رواج کا سلسلہ کسی نہ کسی طرح مذہب سے ضرور ملتا ہے۔

گذشتہ چند برسوں سے عالمگیریت [گلوبلائزیشن] کی اصطلاح کے ساتھ دو اور اصطلاحوں کو بھی بڑی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ ۱۔ تہذیبوں کا تصادم (Clash of civilization) اور تہذیبوں کے درمیان مذاکرات (Dialogue between the civilizations) ۔ عالمگیریت کے مؤیدین کا خیال یہ ہے کہ دُنیا میں تہذیبوں کے درمیان تصادم سے بچنے کیلئے مختلف تہذیبوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کیلئے اِن کے درمیان مذاکرات بہت ضروری ہیں۔ اِن مذاکرات کے ذریعے ایک دوسرے

کی تہذیب وتمدن کیلئے گنجائش پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے مذاہب اور عقائد کو سمجھنے کا بھی موقع ملے گا۔ اِس طرح ہر تہذیب کے ماننے والوں کو دوسری تہذیبوں سے اچھی چیزیں اخذ کرنے کے مواقع ملیں گے اور انہیں انفرادی واجتماعی زندگی میں اپنا کر ایک عالمگیر [گلوبل] افہام وتفہیم کی فضا کو پروان چڑھایا جایا جائے۔ اِس کیلئے مختلف تہذیبوں کے نمائندے باہمی مذاکرات کر کے ہر تہذیب کی قابل قبول اور مشترک باتوں پر اتفاق کرلیں تا کہ اِس طرح ایک عالمی تہذیب اور تصادم سے پاک ثقافت کا وجود میں لانا ممکن ہو سکے۔

اِس مقصد کے حصول کیلئے عالمی سطح اور مقامی سطح پر سیمینارز، کانفرنسیں، سمپوزیم اور مذاکروں وغیرہ کا انعقاد کیا جاتا ہے جس کی پشت پر عالمگیریت کے ٹھیکے داروں کی سعی کار فرما ہوتی ہے۔ اِن کانفرنسوں میں بہت شائشتہ انداز میں بظاہر بہت اچھی اچھی باتیں ہیں اُن کی باتیں سُن کر سامعین وحاضرین کو لگتا ہے کہ یہ لوگ واقعی عالمی امن کیلئے بہت حریص ہیں۔ لیکن اگر اِس نظریے کو مذہبی تناظر میں موجودہ صورتحال کی روشنی میں دیکھا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ گزشتہ چند سالوں سے دُنیا کے مختلف گوشوں مین تہذیبوں کو قریب لانے کیلئے جو کانفرنسیں منعقد ہوتی رہی ہیں۔ اِن کی روداد پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں اسلامی تہذیب وتمدن ہی کو نشانہ بنایا گیا ہے اور اسلامی ثقافت کے بڑے حصے کو پس پشت ڈال دینے کی ترگیب دی گئی اور اِس کی جگہ مغربی تہذیب اپنانے پر زور دیا گیا ہے۔ اِس لئے تہذیبوں کو قریب لانے یا اِن کے درمیان مذاکرات کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہے بلکہ یہ محض فریب اور دھوکہ ہے۔

اب یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ موجودہ دور میں گلوبلائزیشن کے ٹھیکے داروں کی انتہائی کوششیں رہی ہیں اور مستقبل میں بھی یہی رہے گی کہ ہر قوم بالخصوص مسلمانوں کی تہذیب وثقافت اوراس کے تمدن کو ختم کر کے پوری دُنیا میں ایک ہی طرح کی تہذیب رائج کردی جائے جو مغربی اور امریکی اقدار پر مبنی ہو، تا کہ دُنیا اس تہذیب کو اپنا کر اس طرح زندگی گزارے کہ مغربی مفادات میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو اور عالمگیرت اپنے تمام مقاصد میں کامیابی سے ہم کنار ہو۔ اِس طرح سطح زمین پر پائی جانے والی اقوام، امریکی مغربی اور ہندی ثقافت کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیں گے تو اُنہیں اِن قوتوں کی سیاسی اور اقتصادی پالیسیوں کو اپنانے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ یہ ثقافتی اور تہذیبی عالمگیریت کس طرح فروغ پا رہی ہے۔ اِس کے اسباب وعوامل کیا ہیں؟ کیا اہداف ومقاصد ہیں؟ اور کیا آثار ونتائج ہیں؟ اِس پر پھر کبھی انشاء اللہ۔

تہذیبوں کا تصادم اور امتِ مسلمہ

یہ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ سموئیل ہنٹنگٹن نے ''تہذیبوں کا تصادم'' نامی کتاب امریکن سی آئی اے کے سابقہ ہیڈ ایلن ڈلس (Allan Dallos) کی ہدایت پر لکھی تھی۔ اس کتاب کا لب لباب یہی ہے کہ سوویت یونین کے زوال کے بعد اسلامی تہذیب اور اس کے قرب وجوار میں رہتی ہوئی اور مسلمانوں کے ساتھ بہتر تعلقات بنانے والی کنفیوشس [چینی] تہذیب مل کر خطرناک ثابت ہوں گے۔ لہذا امریکہ، ناٹو (NATO) افواج کا مشترکہ دشمن یہی ہے۔

امریکہ کے بھاری بھرکم انفراسٹرکچر کو قائم اور رواں دواں رکھنے کے لئے ایک مستقل مخالف یا دشمن کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ کیونکہ اپنے مخالف کو بڑھا چڑھا کر خطرناک صورت میں پیش کر کے اس سے اس کے اڑوس پڑوس کو ڈراتے رہنا اور پھر ان کو اپنا اتحادی بنا کر محفوظ کرنا اور محفوظ کرنے کے لئے اس پر اسلحہ بیچنا اور اسلحہ کی تجارت کے سہارے دنیا بھر کے وسائل کو اپنے زیر استعمال لانا کمال درجے کی سیاست، سازش، چالاکی منافقت اور دوغلا پن تو ہے لیکن زبردست منصوبہ بندی بھی ہے۔

''تہذیبوں کا تصادم'' کے بعد یہودی ذہن کا شاہکار واقعہ جڑواں میناروں کا انہدام (Fall of twin towers) ہے۔ شاید یہ بات بھی اہل نظر سے اب پوشیدہ نہیں ہے کہ 9/11 کا واقعہ اسرائیلی سیکرٹ سروس اور امریکہ میں اس سیکرٹ سروس کے اتحادیوں کا شاخسانہ ہے۔ لیکن کمال کی بات یہ ہے کہ اس کو کس ''صفائی'' کے ساتھ امریکہ اور یورپ کو مسلمانوں کے ساتھ لڑانے کے لئے استعمال کیا گیا۔

اب ایک طرف یورپ کی اتحادی افواج افغانستان، عراق اور صومالیہ وغیرہ میں مسلمانوں سے متصادم ہیں اور دوسری طرف ستمبر ۲۰۰۵ء سے فروری ۲۰۰۸ء تک مسلسل خاتم النبیین ﷺ کے خلاف توہین آمیز مواد شائع کرایا جارہا ہے تاکہ تہذیبوں کے تصادم کے ذریعے عیسائیوں اور مسلمانوں کو ٹکرا ٹکرا کر بے دم کیا جاسکے اور ان دونوں کے کمزور ہونے کے بعد دنیا میں الٰہی ریاست (Divine State) قائم کی جاسکے۔

یہودیوں نے کمال مہارت کے ساتھ اس وقت دنیا میں یورپ اور امریکہ کی مستحکم اور طاقتور عیسائی حکومتوں کو مسلمان دنیا کے ساتھ برسرپیکار بنا دیا ہے۔ گذشتہ پانچ چھ برسوں میں کبھی برائیوں کے محور (Axis

(of Evil کبھی اقدامی جنگ (Premptive Wars)اور کبھی نظریات اور عملیات (Operations) کے ذریعے مسلمانان عالم کا بُھرکس نکال دیا گیا۔ مسلمان حکومتوں کو بے حال اور بے جان کر دیا گیا۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ کو امریکہ اور یورپ سے نکال کر مسلمان ملکوں میں لایا گیا۔ پھر یہاں پر تاریخ میں پہلی دفعہ مسلمان افواج اور انتظامیہ کو خود اپنے عوام کے خلاف اس بے دردی سے لڑایا گیا کہ اب پورا نظام تلپٹ ہوتا ہوا محسوس ہونے لگا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ''مرے کو مارے شاہ مدار'' کے مصداق کبھی ڈنمارک، فرانس، اٹلی، جرمنی، سویڈن اور ہالینڈ کے اخبارات میں توہین آمیز خاکے شائع ہوتے ہیں اور کبھی فلمیں بنتی ہیں۔ اس قسم کی حرکات کے ذریعے بھی یہودی مافیا اور میڈیا مسلمانوں کو آپس میں گتھم گتھا کرنے کی شرارتیں کرتا رہتا ہے۔ کیونکہ اس قسم کے خاکوں کے ردعمل میں بعض مسلمان ممالک میں جلسے جلوس ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں کبھی کبھی اشتعال انگیز کاروائیوں کا خطرہ ہوتا ہے، اس کے علاوہ مسلمان حکومتوں اور عوام میں اختلافات پیدا ہوتے ہیں کہ حکومتیں وہ اقدامات نہیں کرتیں جو عوام چاہتی ہیں۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کی طرف سے ملے جلے ردِعمل کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان ایک بحث چل نکلتی ہے کہ آیا اس قسم کے واقعات پر کسی ردعمل کا اظہار کیا جائے یا نہیں۔

اس وقت پاکستان میں عوام کی سطح پر سخت اشتعال پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ بہت اچھی بات ہے کہ اب لوگ پرامن احتجاج کا طریقہ سیکھ رہے ہیں۔ لیکن بعض لوگ یہ نظریہ بھی رکھتے ہیں کہ یہودی مسلمانوں کو چیک کرنے کے لئے اور مسلمانوں کے وقت اور وسائل کو ضائع کرنے اور ان کو ایک جذباتی، عقل وشعور سے عاری اور جلد گرم سرد ہونے والی قوم ثابت کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً اس قسم کی حرکات قصداً کراتے ہیں، لہذا مسلمان اس پر کسی ردِعمل کا اظہار نہ کریں تاکہ یہودی خود تھک ہار کر اس مذموم اور شنیع عمل سے باز آجائیں ورنہ اللہ تعالی کے قہر وعذاب کے شکار ہوجائیں۔ یہ قہر وعذاب کب ہوگا، کیسے ہوگا یہ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اس نقطۂ نظر میں ایک حد تک وزن سہی لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ صائب رویہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانان عالم اگر آج اشراف ترین انسان، نبی اور رحمۃ للعالمین کی حرمت وناموس پر مصلحتوں، حکمتوں اور معلوم نہیں کس کس بناء پر خاموش رہ جائیں کل کلاں یورپ کی یہ مادر پدر آزاد اور بن باپ کی نسل نہ معلوم کیا کیا کرتوت کر بیٹھے اور مسلمانوں کے عقائد اور مقام مقدسات کو بازیچۂ اطفال بنانے سے گریز نہ کرے۔ پھر یہ بات منطقی لحاظ سے

بھی قرین مصلحت نہیں کہ ہم اتنے مجبور ومعذور بن جائیں یا اتنے روشن خیال بن جائیں کہ اپنے عقیدے کی مرکزی بنیاد [عقیدۂ رسالت] کی بے حرمتی کو بغیر کسی موزوں ومعقول ردعمل کے ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر جائیں۔ اور دوسری طرف ہمارے پڑوس میں مقیم ہندوقوم کو اپنی مشرقیت پر اتنا ناز [اور بجا طور پر قابل ستائش عمل] کہ فرانس کے صدر سرکوزی کے اہم دورۂ انڈیا کے دوران میں جب اس کی گرل فرینڈ ساتھ آرہی تھی تو حکومت ہند نے اس کی اجازت نہیں دی کہ یہ مشرقیت کے آداب کے خلاف تھا۔ واللہ اس سے پہلے اپنی اسی گرل فرینڈ کے ساتھ کئی عرب اسلامی ممالک کا دورہ کر چکا تھا۔

؎ تُف بر تُو اے چرخ گردوں، کہ مسلمان پر یہ دن بھی آ گئے

اس کے ساتھ ہی ذرا یہ طرفہ تماشہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ وہ یورپ اور امریکہ جہاں جرمنی کے ہٹلر کے ہاتھوں مبینہ طور پر ''ہولوکاسٹ'' کے خلاف کچھ بولنا، لکھنا یا علمی اور تحقیقی انداز میں اس کو چیلنج کرنا جرم قرار دیا گیا ہے اور یورپ میں کئی ایک صحافی اس جرم کے ارتکاب پر جیل یاترا اسے کر چکے ہیں، آزادیٔ اظہار رائے کے نام پر اشرف المخلوقات، افضل الانبیاء جناب رسول اللہ ﷺ کی شان کے خلاف ہرزہ سرائی کی نہ صرف اجازت دی جاتی ہے بلکہ حوصلہ فزائی کی جاتی ہے۔

اس قسم کے مسائل کا ایک آسان حل راقم کے نزدیک یہ ہے کہ امیر عرب ممالک اور کثیر آبادی والے اسلامی ممالک ان ممالک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کریں جہاں یہ فتنے پرورش پاتے ہیں۔

لیکن ؎ اے بسا آرزو کہ خاک شد،

جب یہ بھی ممکن نہیں ہے تو غبارِ خاطر کے لئے سہی کچھ تو شانِ ایمان بھی رکھنی چاہئے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو انگریزی زبان کے ماہر صاحب ایمان دانشور پروفیسر صاحبان مضامین، مقالہ جات اور کتب کی صورت میں اس موضوع پر اتنا کچھ لکھیں کہ انٹرنیٹ، یوٹیوب اور یورپ میں اہم کتابوں کی دکانوں پر آسانی کے ساتھ دستیاب ہو۔

جہاں تک ناموسِ رسالت کی بات ہے تو مسلمان حکومتیں اور بعض مخصوص افراد کتنے ہی متجدّد اور روشن خیال کیوں نہ ہو جائیں، پھر بھی اس عظیم ہستی پر اپنا سب کچھ قربان کرنے والے ہمیشہ موجود رہے ہیں اور قیامت تک رہیں گے کہ آج کے رشدی اور تسلیمہ نسرین اور تب کے راجپال اور سوامی شردھانند جیسے لوگوں کے لئے ایسے جاں نثاروں کا موجود رہنا قانون فطرت ہے۔

آج کے حالات میں ناموس رسالت کا ایک اہم تقاضا یہ ہے کہ ہم مسلمان اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکیں اور اپنی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی معاملات سیرت رسول اللہﷺ کی روشنی میں طے کرنے کا بندوبست کرلیں تو یقین واثق ہے کہ اس قسم کی حرکات سے یہ لوگ خود بخود باز آجائیں۔

ورنہ ندیم قاسمی کے الفاظ میں:

اب کہاں جاؤ گے اے دیدہ ورو
اب تو اس سمت بھی ظلمت ہے
جہاں شب کے آلاؤں میں نہا کر
مرے سورج کو نکلنا تھا
گجر بجنے تھے
اب تو مشرق پہ بھی مغرب کا گماں ہوتا ہے
اب تو جب ذکر کرو نور وسحر کا
تو بلک اٹھتی ہے دنیا کہ کہاں ہوتا ہے؟

اللهم صلّ علی محمدٍ بعدد من قعد وقام۔

☆......☆......☆

تہذیب وثقافت کی عالمگیریت اوراس کے اثرات

آج کی گلوبل دُنیا کی ایک مشہور معروف اصطلاح عالمگیریت (Globalization) ہے۔ عالمگیریت کے بانی مؤیدین اور پرچار کرنے والے اِس کو وقت اور زمانے کی ایک ناگزیر ضرورت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اِس کے اہم مقاصد تو سیاسی اور اقتصادی ہیں لیکن اِن دو اہم مقاصد کے حصول کیلئے جب تک تہذیبی اور ثقافتی راستے ہموار نہ ہوں اُس وقت تک کامیابی ممکن نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ عالمی طاقتیں سیاسی اور معاشی مقاصد کے حصول کیلئے تہذیب وثقافت کو بھی عالمگیریت کی رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں۔ سیاست کی عالمگیریت کے اثرات سے تو شاید دُنیا کا تھوڑا بہت پڑھا لکھا مسلمان بھی واقف ہوگا کیونکہ اِس کے مظاہر روزمرہ کی سیاست کے شاخسانوں کے طور پر مسلمانوں کے ہر ملک میں عیاں وبیان ہے۔

عالمی طاقتوں کو جب کبھی موقع مِلا ہے اور اِس قسم کے مواقع کے حصول کیلئے وہ جہاں ایک طرف بہت جامع اور گہری منصوبہ بندی کرتے ہیں، تو دوسری طرف اِن کو کامیاب بنانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں تاکہ دُنیا پر بالعموم اور اسلامی دُنیا پر بالخصوص یہود وھنود اور نصاریٰ کی اجارہ داری قائم ہوجائے۔ سیاسی عالمگیریت کا پہلا مقصد یہ ہے کہ اب چونکہ اِس بات کے امکانات پہلے کی نسبت کم رہ گئے ہیں کہ کوئی عالمی طاقت کسی ملک پر بزورطاقت زیادہ دیر تک قبضہ جمائے رکھ سکے۔ اگرچہ وہ اس قسم کا موقع کبھی ضائع نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ عراق اور افغانستان اِسی سیاسی عالمگیریت کی دو "بے مثال شاہکار ہیں" لیکن عالمی طاقتوں کی عام کوشش یہ ہے کہ عالمگیریت کی آڑ میں دُنیا میں ایسی حکومتیں قائم کی جائیں کہ وہاں کی حکومتیں عالمی طاقتوں کی پالیسیاں چاہے نہ چاہے، نافذ کرنے پر مجبور ہوں۔ اِس کے ذریعے عام طور پر مسلمانوں کی حکومتوں اور عوام کے درمیان ہمیشہ ایک کشمکش کی صورت حال جنم لیتی ہے کیونکہ اُن کی یہ پالیسیاں اِن ممالک کے عوام کی خواہشات، دینی ومذہبی جذبات اور تہذیب وثقافت سے مزاحم ومتضاد ہوتی ہیں۔

دُنیا کی غریب اقوام اور ممالک کے حکمرانوں کو بہترین اور پُرآسائش طرز زندگی اور ملکی معاملات چلانے کیلئے بھاری قرضے دیکر اُن کو ایسے جال میں جکڑ لیا جاتا ہے جہاں وہ پڑے پڑا بھی نہیں سکتے۔ اِس بات کا ثبوت امریکہ کی ریاست پنسلوینیا" بنک کے چیئرمین جون بوٹنگ " کو یہ کہنے کی جرأت ہوئی کہ: عالمگیریت

[گلوبلائزیشن] میں ہم یہ طے کریں گے کہ کس کو زندہ رہنے کا حق ہے اور کون مرنے کے زیادہ لائق ہے۔"

جون بوٹنگ کی اِس خواہش کا اظہار اور ثبوت یہ ہے کہ عالمی طاقت کی افواج دُنیا میں سات سو مقامات پر موجود ہیں اور "عالمی حکومت" یعنی ایسی حکومتیں جو عالمی طاقت کے اشارے پر چلیں، کے قیام کیلئے دُنیا کے جس گوشے میں چاہیں اعلان جنگ کریں اور جہاں چاہیں اپنی افواج اور اتحادی افواج کو مِلا کر داخل کر دیں۔

اس اہم کام کو آسان اور دلکش بنانے کیلئے ایک عالمگیر تہذیب وثقافت کی ساخت و پرداخت پر سرمایہ کاری کی گئی اور اب پوری دُنیا پر ایک ایسی تمدن مسلّط کرنے کی کوششیں جاری ہیں جس میں لوگوں کے درمیان رنگ ونسل کا اختلاف اگر پایا جائے تو کوئی بات نہیں کہ فطری ہے، لیکن زبان، مزاج و مذاق، رہن سہن، وضع قطع اور معیارِ زندگی اور اِن سب کے نتیجے میں فکر ونظر اور پسند و ناپسند میں بھی ایک ایسی مماثلت اور یکسانیت و یگانگت پیدا ہو جائے کہ سب پکار اُٹھیں تو "من شدی من تو شدم" انگریزی دُنیا کی عالمگیر زبان ہو، باقی زبانیں تاریخ کے حوالے کر کے تحقیق و تاریخ کیلئے چھوڑ دی جائیں۔ اِس طرح دُنیا بھر کے لوگوں کے احساسات ونظریات اور جذبات واقدار سب ایک طرح کے ہو جائیں گے، کیونکہ نظریات و اقدار کے اختلاف سے پھر عالمی طاقتوں کو بعض اوقات اپنے مفادات کے حصول میں رکاوٹیں سامنے آتی ہیں۔

تہذیب وثقافت کے عالمگیر ہونے دُنیا بھر میں سے طرزِ زندگی کے ایک ہونے کے بڑے امکانات ہیں۔ جب طرز اور معیار زندگی ایک ہو جائیگی تو عالمی طاقتوں کے کارخانے دن رات چالو رہیں گے تا کہ دُنیا بھر کے لوگوں کو سامانِ زندگی بہم پہنچائیں۔ اِس طرح ساری دُنیا میں ایک ہی ثقافت کے تحت سارے لوگ عالمی طاقت کے "ہرکارے" اور "غلام" صرف اُن کے کارخانوں اور صنعتوں کو چلانے کیلئے انسانی خون پسینے کی صورت میں ایندھن فراہم کرتے رہیں، عالمگیر حکومت کے قیام کے لئے دنیا بھر کا غم کھانے والی عالمی طاقت اپنے ہاں کے ماحولیاتی آلودگی کے خوف سے محفوظ رہنے کیلئے تیسری دُنیا کے غریب عوام پر احسان جتاتے ہوئے ملٹی نیشنل کمپنیوں کی صورت میں زرمبادلہ اپنے ہاں اور گند و کچرا غریب ممالک کو مزید غریب اور معاشی تباہی سے دوچار کرنے کیلئے صنعتیں اِن ہی ممالک میں لگاتے ہیں۔ اِن سارے اقدامات کے ذریعے جس ثقافت کو عالمگیریت کیلئے منتخب کیا گیا، وہ فطری طور پر مغربی اور امریکی ثقافت ہی نکلی اور اِسی کو یہ حق دلایا گیا کہ وہ پوری دُنیا کی مشترکہ تہذیب ٹھہرے۔

تہذیبی وثقافتی گلوبلائزیشن کو اگرچہ ایک طبقہ یہاں تک ہمارے مذہبی طبقات میں سے بھی کچھ لوگ زیادہ اہمیت نہیں دیتے لیکن درحقیقت عالمگیریت کا سب سے خطرناک پہلو ہی ثقافتی عالمگیریت ہے اِسی بناء پر تو ہندوستان کی کانگریسی رہنما سونیا گاندھی نے کہا تھا کہ "پاکستان کو عسکری طور پر فتح کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہی کہ اُن کی نوجوان نسل کو ثقافتی طور پر فتح کرلیا گیا ہے۔ ثقافتی عالمگیریت کی اہمیت اِس لئے بھی زیادہ ہے کہ ثقافت کا تعلق بھی مذہب سے ہے، خصوصاً اسلامی تہذیب وثقافت دین اسلام کا ایک اہم جزو وحصہ ہے۔ اس لئے دُنیا کی ساری تہذیبوں بشمول اسلامی تہذیب کو ختم کر کے صرف مغربی اور امریکی تہذیب کو مسلط کرنا براہ راست مذہب سے متصادم ہے۔ اس لئے اِس سلسلے میں مسلمان حکومتوں اور ملکوں کو احتیاط سے کام لینا ہوگا۔

ثقافتی عالمگیریت کا مقصد یہی ہے کہ اس کے ذریعے جہاں سیاسی مفادات کی تکمیل ہو وہاں اقتصادی و معاشی منصوبوں میں بھی کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو اور روئے زمین پر کوئی ایسا شخص باقی نہ بچے، جس ذہن میں ظالمانہ مغربی پالیسیوں کے بارے میں کوئی سوال پیدا ہو جن کی زبان سے صیہونی مفادات کے خلاف کوئی حرف نکلے اور جس کی سوچ اور نظریے سے دوسرے لوگ بھی متاثر ہوں اور پھر وہ مل کر عالمگیریت کی راہ میں حائل ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی اپنی قدرتیں ہیں، عالمگیریت صرف اللہ تعالیٰ کے دین اور خاتم النبین ﷺ کی تعلیمات کو حاصل ہے لیکن اللہ کی قدرتوں کا مظہر بننے کیلئے آج کی گلوبل دُنیا میں ہمیں اپنی تہذیب وثقافت کو اپنا کر ہی تحفظ حاصل ہوگا اور منصوبہ سازوں کے انسانیت کے خلاف عالمگیر منصوبے کبھی کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔

☆......☆......☆

ویلنٹائن ڈے اور ہمارا طرزِ عمل

پرویز مشرف کے مکروہ دور سے پہلے پاکستان میں بعض چیزوں کا نام تک لوگوں نے نہیں سُنا تھا۔ اِس ایک شخص نے پاکستان اور اسلامی امت کی ساخت پرداخت اور ماضی و مستقبل کو جو نقصانات پہنچائے اُس کا صحیح اندازہ تو آنے والے دور میں کوئی غیر جانبدار مؤرخ ہی کرے گا لیکن اتنی بات تو سب کے سامنے ہے کہ اِس سے پہلے بھی پاکستان پر کئی آزمائشیں آئی تھیں جن میں مشرقی پاکستان کا بنگلہ دیش بننا سب سے شدید صدمہ والمیہ تھا، لیکن اِس لحاظ سے وہ بھی برداشت کرلیا گیا کہ چلو، بنگلہ دیش کے قیام سے آخر ایک اور اسلامی ملک کا اضافہ تو ہوگیا اور صد ہزار شکر کہ ھندوستان کے ہزار مکر وفریب کے باوجود وہ کچھ نہ ہوسکا جس کی منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ لیکن پرویز مشرف نے پاکستان سے محبت کی آڑ میں ایک ایسا نعرہ لگایا جس کی اُس وقت بھی صاحب نظر لوگوں نے مخالفت کی اور آج تو شدومد سے اِس تصور کے بھی مخالف ہیں۔ وہ نعرہ تھا، "سب سے پہلے پاکستان"۔ ہم جیسے لوگوں نے اُس وقت بھی کہا تھا اور آج بھی ببانگ دہل کہتے ہیں کہ "سب سے پہلے اسلام"۔ میں اکثر عرض کرتا ہوں کہ پاکستان کا خمیر ہی اسلام سے اُٹھا ہے۔ پاکستان کی بنیاد ہی اسلام پر اُٹھائی گئی ہے۔ اسلام، پاکستان کیلئے جسم کیلئے خون کی مانند ہے۔ اسلامی دُنیا کے سارے ممالک اسلام کی آمد سے پہلے بھی موجود تھے مثلاً سعودی عرب، یمن، مصر، افغانستان اور اِسی طرح اور بہت سارے علاقے آج ہی کے ناموں کے ساتھ اسلام سے پہلے پائے جاتے تھے لیکن جنوبی ایشیاء میں اسلام کی آمد سے قبل یہاں دو قومیں نہیں بلکہ ایک ہی قوم یعنی غیر مسلم رہتی تھی۔ اِس لئے قائدِاعظمؒ نے فرمایا تھا کہ "پاکستان اُس دن قائم ہوا تھا جس دن جنوبی ایشیاء کا پہلا غیر مسلم مسلمان ہوا تھا۔" پہلے غیر مسلم کے اسلام کے حلقہ میں داخل ہونے کے ساتھ ہی یہاں دوقومی نظریہ وجود میں آیا اور یہی دوقومی نظریہ پاکستان کی بنیاد بنا۔ اِس نظریہ کو خلیج بنگال میں غرق کرنے کیلئے ھندوستان کی آنجہانی وزیراعظم اندرا گاندھی نے بہت کوشش کی تھی لیکن مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنا کر بھی وہ اِس نظریے کو ختم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکیں بلکہ اِس نظریے کو ختم کرنے کیلئے اُس نے جس طرح دیگر ملکوں میں کھلی جارحیت کی بنیاد رکھی اُس کے بارے میں چین کے آنجہانی وزیراعظم چواین لائی نے کہا تھا کہ "اندرا گاندھی نے بنگلہ دیش بنا کر کانٹوں کی فصل بوئی ہے، وہ اِسے طوفانوں سے کاٹے گی۔ پھر

اُس دوراندیش شخص کی پیشن گوئی کو ایک دُنیا نے دیکھ لیا کہ کس طرح اندرا گاندھی اپنے ہی محافظ کی گولیوں کا نشانہ بنی اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا بھی اِسی راہ پر چل راہی ملک عدم ہوا،لیکن یہ دشمنانِ پاکستان کی کارستانیاں تھیں، اہلِ پاکستان کو اُن کے عزائم بخوبی معلوم ہیں۔ مصیبت اُس وقت ٹوٹ پڑتی ہے جب کوئی اپنا اپنائیت کے جامے میں پاکستان کے حوالے سے بظاہر کوئی ایسی بات یا کام کر لیتا ہے جس کے ظاہراً معنی عام لوگوں کو کو بہت اچھے نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ کام پاکستان کی بنیادوں پر تیشہ چلانے کے مترادف ہوتا ہے۔

"سب سے پہلے پاکستان" کے نعرے سے ظاہراً یہی محسوس ہوتا ہے کہ اِس نعرے کا علمبردار تو گویا اپنا سب کچھ پاکستان پر نچھاور کرنے والا ہے۔ جبکہ اِس نعرے کے نعرہ زن نے اِس نعرے کی آڑ میں اپنے اقتدار کو طول دینے کیلئے پاکستان کا سب کچھ اپنی ذات پر نچھاور کیا۔ اُنہوں نے اِس سلسلے میں پاکستان کو کس کس طرح سے داغدار کیا۔ پاکستان کی بنیادوں کو کتنا کمزور کیا، اِس حوالے سے بہت سارا کام سامنے آ گیا ہے جن میں سے بڑے بڑے نکات یہ ہیں کہ آئین کی حرمت کو پامال کیا، ملک کے معزز شہریوں کو غیروں کے ہاتھوں ڈالر کے عوض بیچ کر ملک کی عزت کو نیلام کیا، دہشت گردی کے خلاف جنگ سے پاکستان کو چور چور کیا، عدلیہ کو بے توقیر کیا، اکبر بگٹی کے بہیمانہ قتل کے ذریعے استحکام پاکستان کو بہت بڑا نقصان پہنچایا، محسنِ پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو اتنا دکھ پہنچایا کہ شاید اِس دُنیا میں اُس کا مداوا نہ ہو سکے۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی جیسی باعزت اور کوالیفائڈ خاتون کو دُشمنانِ اسلام کے حوالے کیا۔ اِس کے علاوہ پاکستان کو اور بہت سارے ناقابل تلافی نقصانات پہنچائے ۔ اِس کے علاوہ پاکستان کو اور بہت سارے ناقابل تلافی نقصانات پہنچائے جن کے ذکر سے زخم دِل و جگر ہرے ہوتے ہیں۔ لیکن اس پر اکتفا کرتے ہوئے اب اُس زخم کا ذکر کروں گا جو مندمل ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ وہ یہ کہ اِس شخص نے پاکستان میں امریکی اور مغربی تہذیب کو عام کرنے کی اِس انداز میں کوشش کی کہ پاکستان جیسے اسلامی معاشرے کی اقدار کی چولیں ہلا ڈالیں۔ مغربی تہذیب سے اس شخص کی وابستگی اور دلبستگی کا اندازہ ناجائز طور پر اقتدار سنبھالتے وقت اپنے کتّوں کے ساتھ تصویر اور کمال اتاترک کو اپنا ہیرو قرار دینے سے ہی ہو گیا تھا، لیکن بعد میں روشن خیالی اور جدیدیت کے نام پر پاکستان میں مغربی تہذیب کی ناپسندیدہ عناصر عام کرنے کی کھلی چھٹی دی گئی جس کے نتیجے میں بڑے بڑے شہروں میں لباس وضع قطع اور خراش تراش میں اور مخلوط محفلوں کے ذریعے اسلامی اقدار کا جنازہ نکلوا دیا گیا۔ صوبہ سرحد جیسے قدامت پسند معاشرے

میں آج اُن یونیورسٹیوں میں جہاں کبھی ممتاز ماہر تعلیم محترم عبدالعلی خان [مرحوم] نے طلبہ وطالبات کیلئے فٹ پاتھ تک الگ مقرر کیئے تھے جبکہ پرویز مشرف کی روشن خیالی کے بعد آج اُن ہی یونیورسٹیوں میں لڑکا اور لڑکی جامعات کے مختلف گوشوں میں درختوں کے نیچے بدھ مت کے پیروکاروں کی طرح " گیان دھیان " میں مشغول ہوتے ہیں یا حرام دولت پہ پلے ہوئے بگڑے شہزادے کالے شیشوں کی موٹر کاروں میں سوار معزز و محترم والدین کی بیٹیوں کو چھیڑنے کو اپنا معمول بنائے ہوئے ہیں۔ بعض ایک دوسرے کے ساتھ کندھا سے کندھا ملائے کلاسوں کے اوقات کے دوران جامعات کی سڑکوں پر گشت کرتے نظر آتے ہیں۔

معاشرے کے یہی نوجوان طلبہ وطالبات گذشتہ کئی برسوں سے جدید روشن خیالی اور آزادروی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُن تہذیبی اقدار کو عزیز جاں بنائے ہوئے ہیں جن سے ہمارا دور کا واسطہ تو کیا کبھی نام بھی نہیں سنا تھا۔ لاہور اور کراچی میں " بسنت " کو پاکستانی تہوار بنا کر قیمتی جانوں کے ضیاع کے علاوہ اربوں کے نقصان کا باعث بنا دیا گیا۔

اِس قسم کے نقصانات کی تلافی اگر چہ مشکل ہے لیکن پھر بھی اس پر صبر کیا جا سکتا ہے لیکن جو نقصان غیر اسلامی تہذیبوں کے اسلامی معاشرے میں رائج ہونے سے ہوا، اس کی تلافی شاید ہی ہو سکے۔ ان چیزوں میں ایک اسلامی معاشروں کیلئے زہر قاتل کی حیثیت رکھنے والی آج کل ایک بہت تیزی کے ساتھ پھیلنے کی ناپسندیدہ سرگرمی ویلنٹائن ڈے منانے کی ہے۔ مجھے حیرانگی اس بات پر ہو رہی ہے کہ اسلامی معاشرے میں آج کل ایسے رسوم و رواج جگہ پا رہے ہیں جن کا اسلامی تعلیمات و اقدار میں نہ ذکر ہے اور نہ ہی کہیں گنجائش ہے۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے ہاں اس قبیح و مکروہ رسم کی تاریخی پس منظر سے بہت کم لوگ آگاہ ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس کو یہاں قدم جمانے کا موقع مل رہا ہے ورنہ یہ کیسا ہو سکتا ہے کہ ایک چیز صریح اور واضح طور پر اسلامی اقدار کے خلاف اور مسلمان نوجوان طلبہ وطالبات کے اخلاقیات کے لئے شدید مضر ہے۔ اُن کے والدین کو معلوم ہو جانے کے بعد بھی اس کو برداشت کیا جا سکے۔ ہر والدین کی خواہش ہوتی ہیں کہ اُس کی اولاد کا کردار بے داغ رہے کہ بے داغ، صاف اور اُجلے کردار کے مالک نوجوان ہی قوم و ملک اور قبیلے کا تارا بنتے ہیں۔

اب ہماری اُس نسل سے جو ویلنٹائن منانے کے عشق میں مبتلا ہیں میں یہ سوال کرتا ہوں کہ سچ بتایئے! کیا آپ کو معلوم ہے کہ ویلنٹائن کون تھا؟ کیا کوئی مستند تاریخی حوالوں کے ساتھ کوئی بتا سکتا ہے کہ ویلنٹائن کب

گزرا ہے اور اُس نے کون سا کارنامہ سرانجام دیا ہے جس کو منایا جائے۔

آج کا ویلنٹائن ڈے عیسائیت اور رومن کی بے بنیاد روایات سے اخذ کیا گیا ہے اور اِس کو مرد عورت کے درمیان غیر شرعی محبت کے دن منانے کیلئے جواز بنایا گیا ہے۔

کیا اسلام اور اسلامی اقدار میں اِس بات کی کہیں گنجائش موجود ہے کہ غیر محرم، کسی غیر محرم نوجوان لڑکی کو سرخ گلاب کی کلی، کینڈی یا چاکلیٹ یا کوئی اور تحفہ وغیرہ پیش کرے۔ یہاں اِس کا ذکر بہت ضروری ہے کہ اسلام محبت کا دین ہے اور اِس کیلئے حدود مقرر کئے ہیں۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ محبت کے بعد والدین، اولاد، بزرگان دین، علماء وصلحا اور بنی نوع انسان کیلئے خیر خواہی کا حکم دیا گیا ہے۔

سرخ پھول، تحفہ تحائف کی محبت صرف اپنی شرعی رفیق حیات [بیوی] کے ساتھ کرنا جائز ہے۔ غیر اسلامی معاشروں میں اِس قسم کی بے حیا چیزوں کو منانا یقیناً اسلامی احکامات کی خلاف ورزی ہے۔ غیر اسلامی معاشروں کے افراد کی یہ بے راہ روی اور بے حیائی اِس قسم کی چیزوں کے ذریعے پھیلانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ لہٰذا سارے غیور، با اخلاق اور اسلام اور رسول ﷺ سے محبت کرنے والے لوگوں پر فرض ہے کہ اِس غیر اسلامی رسم کو بیخ سے اکھاڑ پھینک دے۔ صد ہزار آفرین ہو، مملکتِ سعودی عرب کے حکام اور بالخصوص علماء پر کہ وہاں ویلنٹائن ڈے منانے پر پابندی ہے اور اِس رسم سے منسلک اشیاء کی خرید وفروخت پر بھی پابندی ہے۔ کیا ہم حکومت پاکستان اور بالخصوص جسٹس افتخار چوہدری سے درخواست کر سکتے ہیں کہ کسی سوموٹو ایکشن کے ذریعے اِس منحوس رسم کے منانے پر پابندی لگا دے!

☆......☆......☆

اسلامی نظام، ایک مکالمہ

قیام پاکستان سے لیکر آج تک یہ بحث نہ ختم ہوئی اور نہ پایۂ تکمیل کو پہنچی کہ پاکستان کیلئے کون سا نظامِ حکومت یا ریاست مفید رہیگا۔تحریک پاکستان کے ایّام میں پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ، کے نعرہ اور علامہ اقبالؒ و قائداعظمؒ کے نظریات وافکار کی روشنی میں یہاں ایک روشن خیال [مشرف والا روشن خیال نہیں] اسلامی فلاحی مملکت کا نظام رائج ہونا ضروری تھا، یہی وجہ ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۹ء میں قرار دادِ مقاصد کی منظوری اِس سلسلے میں ایک بہت بڑی کامیابی تھی کیونکہ قراردادِ مقاصد میں پاکستان کے چوٹی کے تقریباً اکیس یا تیئس علماء کرام کی تجاویز اور آراء شامل تھیں۔لیکن لیاقت علی خانؒ کی شہادت کے بعد پاکستان کیلئے نظامِ ریاست کا تعین تو رہا ایک طرف، اِس بات کا تعین مشکل ہوگیا کہ وطنِ عزیز میں جو نظام چل رہا ہے وہ ہے کون سا؟ بہرحال یہ طے کرتے کرتے مارشل لاء کے نام سے ایک جدید نظام ۱۹۵۸ء میں رائج کرایا گیا پھر اُس کے بعد بنیادی جمہوریت، جمہوریت، صدارتی نظام، پارلیمانی نظام، پھر مارشل لاء، پھر جمہوریت، پھر قومی حکومت پھر نگران حکومت، پھر عبوری حکومت، معلوم نہیں کتنی قسم کی حکومتیں آتی رہیں اور چلتی رہیں۔آج باسٹھ برس ہو چکے ہیں کوئی ایک طرزِ حکومت ایسی نہیں ہے جس سے مخلوق خدا کو سکھ کا سانس لینے کا موقع فراہم ہوا ہو۔ یہاں تک کہ جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء میں "اسلامی" کا تڑکا بھی لگایا گیا لیکن اِس کے برکات وثمرات چند ظاہری ونمائشی معاملات اور چند ایک کوڑوں کے سِوا کچھ بھی نمودار نہ ہوئے۔

اب یہ بات تو بہت طویل بحث کی متقاضی ہے کہ پاکستان کیلئے کون سا نظام بہتر رہیگا لیکن آج ہر پاکستانی اِس بات پر کڑھتا ہے کہ کوئی ایسی حکومت پاکستان میں کیوں نہیں آئی جس کے ذریعے عام آدمی کو کم از کم جان مال آبرو کی حفاظت اور روٹی کپڑا مکان کے حصول کیلئے محنت کرنے کے مواقع فراہم ہوں۔

مجھے اِس بات کا شدّت سے احساس ہے کہ پاکستان میں جدید روشن خیالوں کی موجودگی میں اور اکیسویں صدی کے اِن مخصوص حالات میں یہ بات کرنا کہ مملکتِ خداد میں صحیح فلاحی اسلامی نظام ریاست کے قیام کے بغیر کوئی اصلاح، بھلائی اور بہتری کا تصور ممکن نہیں۔

اسلامی نظام ہی وہ طرزِ حکومت ہے کہ جس میں لوگوں کے درمیان عدل وانصاف اور برابری کی سطح پر

عزت واحترام کے ساتھ حقوق کی ادائیگی ممکن ہوتی ہے، کوئی اور ایسا نظام ہے ہی نہیں جو لوگوں کے حقوق کی حفاظت اور ادائیگی کو یقینی بنائے۔

مغرب کی اُن ساری ریاستوں میں جہاں "فلاحی ریاست" کا نظام رائج ہے، کا کمال یہ ہے کہ وہاں لوگوں کو اُن کے بنیادی حقوق اُن کی دہلیز پر ادائیگی کا بندوبست کیا گیا ہے۔

یورپ میں فلاحی ریاستوں کے پیش نظر یہ دلچسپ سا تبصرہ عام طور پر کیا جاتا ہے "اِن ریاستوں میں مسلمانوں کے بغیر اسلام پایا جاتا ہے جبکہ مسلمان ممالک میں اکثر وبیشتر اسلامی فلاحی نظام کی عدم موجودگی کے باعث "مسلمانوں کی موجودگی میں اسلام کے ثمرات کی شیرینی کسی کو نصیب نہیں ہوتی"۔

مغرب میں ویلفیر کا تصور مسلمانوں کے اچھے دنوں کے نظام ریاست وحکومت سے لیا گیا ہے۔ سپین میں مسلمانوں کے ہاں عدل وانصاف، صفائی ستھرائی اور عوام کے حقوق کی نگہداشت دیکھ کر ہی مغرب کے علماء نے اپنے مدرسوں اور تعلیمی اداروں میں عوام کو بنیادی حقوق سے آگاہ کیا اور اِس کے نتیجے میں وہاں پر قائم بادشاہتوں پر اور پادریوں پر دباؤ پڑا اور آخر کار چرچ کے مظالم اور ریاست کی جبر سے لوگوں کو نجات ملی۔ اِس کیلئے مغرب کے علماء اور عوام نے بہت بڑی قربانیاں دیں تب جا کر اُن کو فلاحی ریاستیں نصیب ہوئیں۔

ایک زمانہ تھا کہ مسلمان معاشروں میں انفرادی اور اجتماعی طور پر حقوق کی ادائیگی پر بہت زور دیا جاتا تھا۔ اخلاقی طور پر لوگ کسی دوسرے کے حقوق یا حق کو غصب کرنے سے کتراتے تھے کیونکہ یہ اُس گناہ کبیرہ میں شامل ہے جس کی معافی اُس صورت میں ہوتی ہے کہ غصب شدہ حق واپس کیا جائے یا متعلقہ فرد اور جماعت سے اُس کو بخشوایا جائے۔ اِس کی اہمیت کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے ذمہ اپنے حقوق جب چاہے معاف فرمالیتا ہے لیکن بندوں کے حقوق کی معافی کا طریقہ بہت مشکل ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست میں سب سے زیادہ تلقین حقوق کی ادائیگی کی ہوتی ہے اور نظام حکومت اور قانون میں اُن حقوق کی حفاظت کی ضمانت دی گئی ہوتی ہے۔

لیکن پھر بھی اگر کوئی فرد، جماعت، حکومت اور قوم وغیرہ کسی فرد یا عوام کے بنیادی کی ادائیگی میں غفلت کا ارتکاب کرتا ہے یا کسی سے اُس کے حقوق چھیننے کی کوشش کرتا ہے تو اِس کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاتم النبین ﷺ کے ذریعے وہ قوانین نازل کئے ہیں کہ جب اور جہاں کوئی اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ اُن کا نفاذ کرتا

ہے تو ہمیشہ خوشگوار مثبت اور انسانیت کیلئے دُنیا وآخرت میں مفید نتائج نکلے ہیں۔

آج پاکستان میں ہر آدمی معاشرے میں اِصلاح کا آرزومند اور معاشرے میں موجود برائیوں، جرائم اور اِنسانی حقوق کے بُری طرح مجروح ہونے پر شدید شاکی ہے۔ ننانوے فیصد لوگ چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا نظامِ حکومت کسی اچھے حکمران کے ذریعے نافذ ہو جائے جس میں لوگوں کو کم از کم جان، مال، آبرو کی حفاظت اور دو وقت کی روٹی کمانے کے مواقع میّسر ہوں۔ لیکن ساٹھ برس بعد بھی ہم کسی ایسے نظام کے بارے میں سنجیدگی کے ساتھ سوچنے سے ابھی تک تو محروم ہیں البتہ مستقبل میں دنیا اُمید پر قائم ہے کے مصداق خیر کی توقع کی رکھنا مسلمان کا شیوہ ہے۔

لیکن آج بھی معاشرے کے فساد و بگاڑ کو ختم کرنے کیلئے اگر اِسلامی نظامِ قانون کے چند ایک ضروری دفعات بھی نافذ کئے جائیں تو کم از کم عوام الناس کے کچھ حقوق ضرور محفوظ ہو جائیں گے۔ مثلاً کسی نے پیٹ کاٹ کر محنت مزدوری کے ذریعے اپنی اولاد کی تعلیم یا بیٹی کی رخصتی کیلئے کچھ زیورات یا نقدی سنبھال کر رکھی ہے لیکن اچانک ڈاکوؤں، چوروں کا گینگ اُس کا صفایا کر لیتا ہے۔ اِسلامی قانون کے مطابق ایسے لوگوں کی سزا اِن کے ہاتھ پاؤں کاٹنا ہے۔ آپ چند ایک کو یہ سزا دلا دیں اور پھر اسکے اثرات معاشرے کے دیگر قانون شکنوں پر ملاحظہ کیجئے۔ بدکاری اور پھر پاکستان کے مظلوم اور غریب عوام کی بیٹیوں کے ساتھ معاشرے کے طاقتور عناصر بعض اوقات جس طرح جبر کا معاملہ کرتے ہیں اِن کو رجم [سنگسار کرنے کی سزا دیجئے] پھر اِس کے اثرات ملاحظہ کیجئے۔ معاشرے کے غریب عوام کو کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ شدہ اشیاء فراہم کرنے والے انسانیت دشمن اور بڑی بڑی توندوں والوں کیلئے قرآن وحدیث سے استنباط کر کے سزا تجویز کیجئے۔ کرپشن کرنے والوں کو دیدۂ عبرت نگاہ بنا کر چھوڑ دیں۔ معاشرہ خود بخود سدھر جائیگا اور غریب عوام کے حقوق محفوظ ہو جائیں گے۔ اِس کام کیلئے غریب عوام کو اپنے حقوق کی پہچان اور پھر حفاظت کیلئے اُس انداز میں جدوجہد کرنا ہوگی جس طرح مغربی معاشروں کے افراد نے کیا ہے۔

مغربی عوام کی اپنے حقوق کیلئے جدوجہد اور اُس میں کامیابی کا پھل اُن کو اِس صورت میں ملتا ہے کہ لندن میں ۱۹۸۶ میں روٹی کی جو قیمت تھی وہ آج بھی ہے۔ مغرب کے سیاستدانوں، دانشور، صحافی اور عوامی حقوق کے تحفظ کیلئے کام کرنے والے لوگ حیران ہوتے ہیں جب پاکستانی عوام کا بُرا حال دیکھتے ہیں اور پھر وہ پکار اُٹھتے ہیں کہ پاکستان کے غریب عوام پاکستان کے امیروں سے اپنا حق کیوں نہیں چھین لیتے۔